صحابیؓ رسول
میں اور
ایک کپ کافی

حسنین ملک

یہی شیخِ حرم ہے جو چُرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دَلقِ اویسؓ و چادرِ زہراؑ

(بالِ جبریل، علامہ محمد اقبالؒ)

صحابی رسولﷺ نے پوچھا اور یہ کہتے وقت اُن کے ماتھے کی لکیریں اور نمایاں ہو گئیں

"کیا واقعی تمھارے ہاں سب فِرقے اپنے آپ کو سچا جانتے اور نبی ﷺ کا اصلی پیروکار مانتے ہیں؟"

میں نے تھوڑا سوچ کر کہا

"جی ایسا ہی ہے کچھ تو بول کر اعلان کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ بھی دل سے یہی مانتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں البتہ دوسروں کو اصلاح کی ضرورت ہے"

اُنھوں نے مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا جیسے افسوس ہو رہا ہو۔ پھر بولے

"تو کیا قرآن نہیں پڑھتے یہ لوگ" ساتھ ہی انہوں نے سورۃ انعام کی آیت نمبر 159 کی تلاوت کی۔

ترجمہ: "جن لوگوں نے اپنے دین کو فِرقوں میں بانٹ دیا اور گِروہ گِروہ بن گئے بے شک اِن سے آپﷺ کا کچھ واسطہ نہیں"

پھر اپنی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے بولے

"کیا اللہ صاف نہیں فرما رہا کہ فِرقوں اور گِروہوں میں بٹ جانے والوں سے نبی ﷺ کا کوئی تعلق نہیں پھر یہ کیسے اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہیں۔ کیا قرآن سے بھی بڑی کوئی دلیل ہوتی ہے؟"

میرے پاس وہی گھسا پِٹا جواب تھا سو میں نے دے دیا

"حضرت یہ سب لوگ کہتے ہیں ہم تو صرف تعارف کے لئے فِرقہ کہتے ہیں ورنہ ہم تو صرف مسلمان ہیں"

دیکھو بیٹا! عربی زبان میں لفظ 'ما' اور 'لا' دونوں 'نہیں' کہنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ 'ما' وہاں استعمال ہوتا جہاں کسی چیز کی نفی کرنی ہو مگر اس کی رعایت ممکن ہو یا کوئی گنجائش نکل سکتی ہو جیسا کہ قرآن میں آتا ہے

وَمَا اَرسَلنَاکَ اِلاّ رَحمَتہَ لّلعَالَمین (سورتہ انبیاء ۔ 107)
ترجمہ: ہم نے آپ ﷺ کو نہیں بھیجا سوائے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

یہاں پر لفظ 'ما' کا مطلب 'نہیں' ہے یعنی آپ ﷺ کو نہیں بھیجا اللہ نے مگر رحمت بنا کر۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُن کو تو نبی بنا کر بھی

بھیجا، کسی کا بیٹا اور کسی کا باپ بنا کر بھی بھیجا تو اللہ کیوں کہہ رہا کہ آپ ﷺ کو صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے تو یہاں پر 'ما' کا استعمال اسی لئے کیا گیا کہ جہاں لفظ 'ما' آجائے وہاں اس کے علاوہ بھی مقصد یا چیز موجود ہو سکتی۔۔۔
مگر جہاں لفظ 'لا' آجائے وہاں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی جیسا کہ

اَللّٰہُ لَا اِلٰہ
ترجمہ: اللہ ہے جسکے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں

یا جیسا کہ ارشاد ہے

لا الٰہ الا اللہ
ترجمہ: کوئی لائق عبادت نہیں ہے سوائے اللہ کے

اب یہاں پر لفظ 'لا' کا مطلب بھی 'نہیں' ہے مگر یہاں کوئی گنجائش نہیں باقی رہ جاتی۔ اب کوئی کہے کہ میں کسی اور کو صرف تعارف کے لئے خدا کہتا ہوں تو اب یہاں تعارف سے بھی شرک ہو جائے گا اور اجازت نہیں ہے ایسا کہنے کی بھی، اِسی لئے یہاں لفظ 'لا' استعمال ہوا ہے۔۔۔

امید ہے تمھیں سمجھ آگیا ہو گا کہ اگر 'ما' استعمال ہو تو اس کی گنجائش

ہو سکتی ہے مگر 'لا' استعمال ہو جائے تو کوئی گنجائش (Exception) باقی نہیں رہتی۔ نہ تعارف کی خاطر نہ عقل کی خاطر۔۔۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا

اب انھوں نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 103 کا آغاز پڑھا

وَاعتَصِمُو بِحَبلِ اللہ جَمِیعاً وَلَا تَفَرّقُو
ترجمہ: "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہیں پڑو"

اب یہاں پر 'نہیں' کہنے کے لئے بھی لفظ 'لا' کا استعمال ہوا ہے یعنی 'ولا تفرقو'، کوئی تعارف کے لئے بھی فِرقے میں نہ پڑے اور نہ اپنی عقل سے ایسا کہنے کا کوئی جواز تلاش کرے کیوں کہ جیسا قرآن نے لفظ 'لا' کہہ کر اللہ کے بدلے کسی معبود کی اجازت نہیں دی ویسے ہی کسی فِرقے کی اجازت بھی نہیں دی"

"ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی محنت کا کچھ تو خیال کرنا چاہیے جنھوں نے مختلف مذہبوں، قوموں اور قبیلوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور اس کا نام مسلمان رکھا مسلمان کہلوانے پر فخر محسوس کیا اور ان لوگوں نے پھر عوام کو مذہبوں، قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا"

انھوں نے یہ بات ختم کر کے کافی کا مگ اُٹھایا اور سِپ لیا۔ میں اُن کی بات سُن کر نہایت شرمندہ تھا کیونکہ دین کا مطالعہ کرنے سے پہلے میں بھی بڑے فخر سے اپنا فِرقہ بتایا کرتا تھا۔ جب کچھ دین اور کچھ قرآن کا مطالعہ کیا تب میں نے برملا تو ایسا کہنا بند کر دیا مگر اندر سے یہی خیال کرتا تھا میرا عقیدہ ہی درست ہے باقی بھی مسلمان ہیں مگر ان کو مزید اصلاح کی ضرورت ہے اور مجھے نہیں ہے۔ مگر اس ایک 'لا' نے مجھے شرمندہ اور لاجواب کر دیا مجھے ایسے لگا جیسے اللہ مجھے یہ لفظ 'لا' نہیں کہہ رہا بلکہ Shut up کہہ رہا ہو کہ جب میں نے 'لا' کہہ دیا تو تم اپنی عقل اور زبان بند رکھا کرو۔ مجھے وہ سب آیات یاد آ رہی تھیں جس میں لفظ 'لا' کا استعمال ہوا جیسا کہ

فَاذ کَرُونِی اَذکُرکُم وَ شکُرُو لِی وَلَا تَکفُرُون (البقرہ۔152)
ترجمہ: پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور میرا شُکر ادا کرو اور کبھی کفرانِ نعمت نہ کرنا

اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرہ۔ 190)
ترجمہ: اللہ زیادتی کرنے والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا

اِنَّ اللہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (آل عمران ۔ 9)
ترجمہ: بے شک اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا

یہ سارے 'لا' کہہ رہے تھے کہ اللہ کبھی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کر سکتا نہ وہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف کر سکتا تو کیسے ممکن ہے کہ 'ولا تفرقو' میں سے فِرقہ کی گنجائش نکالیں۔ یہ 'لا' کسی تلوار کی طرح میرے بہت سے عقائد کے بُتوں کو پاش پاش کر رہا تھا۔ مگر ہمیں شرمندہ ہونا اور مان جانا تو سکھایا ہی نہیں جاتا سو میرے دماغ نے معمول کے مطابق ساری ذمہ داری کسی اور پر ڈالنے کی چال چلی۔

"مگر حضرت یہ فِرقے، یہ اختلافات تو اماموں نے لکھے ہیں اپنی اپنی فقہ میں۔ آج اِس کو پڑھنے والے کا کیا قصور ہے؟"

انھوں نے کافی کا کپ میز پر رکھا اور دل میں کچھ پڑھا اور بولے

"جس کسی کو بھی مان کر تم لوگ فِرقوں میں بٹ گئے ہو کیا اُن کے متعلق کوئی آیت یا حدیث آئی کہ جو یہ لوگ کہیں وہ تم چپ کر کے مان لینا اور آنکھیں بند کر کے چل پڑنا اُن کے راستے پر چاہے وہ قرآن کے اصولِ دین کے خلاف ہی ہو۔ تم لوگ سوچتے کیوں نہیں کہ وہ لوگ بھی وہی قرآن پڑھتے تھے جو تمھارے پاس بھی ہے اور اُس قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا تم پر بھی اُسی طرح لاگوُ ہے جیسے اُن پر تھا۔ وہ بھی اُسی رسول ﷺ کے اُمّتی تھے جس کے تم اُمّتی ہو۔ انھوں نے بھی قیامت والے دن اپنے اعمال کا ایسے ہی حساب دینا ہے جیسے تم لوگوں نے دینا ہے"

میں نے ہاتھ بلند کیا جیسے میں کچھ کہنا چاہ رہا ہوں کیونکہ میں انکے بولنے کے دوران نہیں بول سکتا تھا۔

”حضرت سب کے اپنے اپنے طریقے ہیں اور اپنی اپنی فہم ہے اور اُس فہم کے پیچھے ان کے پاس لازمی کوئی نہ کوئی حدیث، روایت یا قول بھی موجود ہے“

میرا جواز سُن کر ان کے چہرے پر خوشی نظر آئی جیسے وہ اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

”بیٹا یہی تو اصول دین ہے جسکو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ یہاں غلطی ہوگئی تو ہر جگہ غلطی ہوتی رہے گی۔ اگر دو امام کسی بھی معاملے میں اختلاف رکھتے ہوں تو کیسے پتا چلے گا کون صحیح کہہ رہا؟

جس کی بات رسول اللہ ﷺ کی بات سے مطابقت رکھے گی وہی ٹھیک ہوگا۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کی دو مختلف باتیں سُننے کو ملیں جن میں اختلاف پاؤ تو اُن کو قرآن سے مِلا کر دیکھو کیونکہ رسول اللہ کی کوئی بات ایسی نہیں ہو سکتی جو قرآن کے خلاف ہو۔ تو اصل یہ ہوا کہ ہر وہ بات صحیح، قابلِ اعتبار اور قابلِ عمل ہے جو قرآن سے مطابقت رکھے۔ جسکی بات قرآن سے مطابقت رکھے گی وہی سچا ہوگا کیونکہ قرآن کی سچائی اور حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لی ہے باقی کسی شے کی تصدیق کی ذمہ داری اللہ

نے اپنے ذمہ نہیں لی۔ اس لئے قرآن کا علم سب سے پہلے اور ضروری ہے کیونکہ اُسی کے ذریعے تو باقی چیزوں کو پرکھ کر دیکھنا ہے، قرآن دلیل ہے سب باتوں کے اوپر۔ نہ کوئی حدیث نہ روایت نہ قول مُستند ہے اگر قرآن سے مخالف ہو اسی لئے اللہ نے قرآن میں ہی قرآن کو فُرقان بھی کہا ہے یعنی فرق کرنے والا جھوٹ اور سچ کے بیچ۔۔۔

تمھارے دور میں جو دین پہنچا ہے اِس میں سب سے زیادہ افسوس اور تکلیف کی بات یہ ہے کہ قرآن کی آیت کا مطلب ثابت کرنے کے لئے بھی حدیث یا قول پیش کر دیا جاتا ہے۔ اب سوچو کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن نے بتانا تھا کہ کون سی حدیث یا روایت یا قول سچا ہے مگر یہاں حدیث قول یا روایت کے ذریعے ثابت کیا جا رہا کہ فلاں صاحب کا قرآن کی آیت کا مطلب ٹھیک ہے۔ مزید افسوس یہ بھی ہے تقریباً سب لوگوں کو یقین بھی ہے کہ کتبِ حدیث میں غلطی ممکن ہے مگر قرآن اپنی اصلی حالت میں قائم ہے اور قیامت تک رہے گا تو اب تم خود بتاؤ کیا یہ جائز ہے کہ جس چیز میں شک ہے اُسے استعمال کرتے ہوئے اُس کو ثابت کیا جائے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔۔۔

قرآن کی حقیقت، اہمیت اور اختیار کو سمجھنا بہت ضروری ہے اگر اس میں کمی رہ گئی تو بہت سے لوگ یا کتابیں تمھیں اپنے راستے پر چلا سکتی ہیں اس لئے قرآن نے جو اپنے ہی بارے میں فرمایا وہ جاننا بہت ضروری ہے جیسا کہ

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کا فیصلہ مانوں اور وہی ہے جسنے کتاب اتاری مکمل تفصیل کے ساتھ (الانعام - 114)

یہاں اللہ کتنا واضح فرما رہا ہے کہ یہ کتاب مکمل تفصیل کے ساتھ اتاری ہے یعنی اسکو تمھاری تفصیلات کی ضرورت یا محتاجی نہیں ہے۔ آگے دیکھو کیا فرماتا ہے

خاص تعریف اللہ کی جسنے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی (کہف 1)

یہاں اللہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اُسنے کوئی کمی نہیں چھوڑی تو ہم دوسرے لوگوں یا کتابوں کے پاس کونسی کمی تلاش کرنے جاتے ہیں۔ مزید فرما تا ہے

صرف اسکی پیروی کرو جو تمھارے رب نے تمھاری طرف اتارا ہے اور نہ پیروی کرو اور سرپرستوں کی، بہت کم لوگ ہی نصیحت پاتے ہیں (الاعراف - 3)

اس آیت میں کتنا واضح لکھ دیا کہ پیروی کس کی کرنی ہے کیا اللہ کی بات سے بڑھ کر بھی کسی کی بات ہو سکتی ہے، ہرگز نہیں۔ اب دیکھو سورة نحل کا ارشاد مبارک

اورہم نے نازل کی تم پر وہ کتاب جو ہر چیز کو واضح کرتی ہے اور ہدایت اور رحمت ہے (النحل 89)

یہی جملہ قران میں آٹھ اور مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ ایک ہی دفعہ بھی لکھا ہوتا تو ہمارے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے مگر اِتنی دفعہ لکھنے کا مطلب بہت زور دینا ہے۔ اب اور اللہ کیسے یقین دلائے قرآن ہر چیز کو واضح کرتا ہے پھر اور کونسی وضاحت ہے جسکو ڈھونڈنے ہم اِدھر اُدھر نکل پڑتے ہیں۔

بات دل کو لگ رہی تھی مگر دماغ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ میں نے فوراً کہا

"مطلب قرآن کی سمجھ لازمی اور سب سے پہلے ہے۔ اب آپ لوگ تو عربی دان ہیں ہمارے ہاں تو قرآن بھی سمجھنے کے لئے اِنھی عالِموں کے ترجموں اور تفسیروں کو پڑھنا پڑے گا"

انھوں نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا

"عالم! کون عالم؟ تم لوگ عالم کس کو کہتے ہو؟"

ایک تو وہ جب بھی کوئی سوال پوچھتے تو مجھے پہلی کیفیت یہی محسوس ہوتی

کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔ جو تھوڑا بہت پڑھا تھا وہ بھی بھول جاتا۔ پھر میں خود کو سہارا دیتا اور اپنے آپ سے کہتا کہ تم نے خود تو منتیں کر کر کے اِن کو بُلایا ہے اور اب جو وہ تشریف لے آئے ہیں تو بھاگنے سے بہتر ہے ہار مان لی جائے اور وقت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے سیکھ لِیا جائے۔ سو میں نے جتنا کچھ پڑھا سُنا تھا سب کچھ مِلا کر عالم کی تعریف کر ڈالی۔

"حضرت، عالم علم والے کوکہتے ہیں عالمِ دین ہمارے ہاں اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس قرآن کے ترجمہ و تفسیر، حدیث، فقہ، شرع اور تاریخ اسلام وغیرہ کا علم ہو"

میرا جواب سُن کر اُن کی ہنسی نکلتے نکلتے رُک گئی شاید اُنھوں نے اس لئے روک لی کہ میری دل آزاری نہ ہو مگر مجھے محسوس ہو چُکا تھا کہ میں یہاں بھی غلط ہوں۔ وہ بولے

"بیٹا یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے بھی ہو ا تھا اور جواب میں آپ نے فرمایا تھا'عالم وہ ہے جو مُتقی ہو' یعنی اللہ سے ڈرنے والا، پرہیزگار اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتا ہے۔ تو عالم کی نشانی تقویٰ ہے نہ کہ علم"

عالم کی یہ تعریف سُن کر میرا دھرم بھرشٹ ہو گیا۔ یعنی میں جس کو

صرف علم کی وجہ سے عالم سمجھتا تھا وہ عالم ہے ہی نہیں اگر مُتقی نہ ہو۔ اگر ایسا ہی ہے تو کیا ہم سینکڑوں سالوں سے علم کا رٹّہ مارنے والوں سے دین سیکھتے رہے؟ شاید اسی وجہ سے آج ہم وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھنا یا ایک دوسرے کے گھر کا کھانا تک گوارہ نہیں کرتے۔

اللہ اور اسکے رسولﷺ کے حکم پر عمل کرنا تھا ہم اُس پر ریسرچ کرنے لگ گئے سائنس پر ریسرچ کرنی تھی مگر ہم عمل کرنے لگ گئے۔

عالم جو متقی ہوگا اللہ سے ڈرنے والا ہو گا وہ کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سنائے گا وہ کبھی لوگوں میں تفرقہ نہیں ڈالے گا نہ کسی جھگڑے کو پسند کرے گا نہ پھیلنے دے گا کبھی کسی کی غیبت نہیں کرے گا مگر میں نے تو اِن کو ایک دوسرے کو کافر کہتے سُنا، ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا، ایک دوجے کے گھر سے کھانا کھانا، رشتے کرنا یا کاروبار کرنا بھی منع کرتے دیکھا سُنا۔ ایک دوسرے کے خلاف گالیوں بھری کتابوں کی ایک لمبی فہرست تھی جو میرے ذاتی مطالعے سے گزریں جو ثابت کر رہی تھیں یہ کہیں سے بھی عالم نہیں ہیں۔ ایسے سٹیکرز بنا کر دکانوں کے باہر چسپاں کر دیے جاتے ہیں کہ فلاں فرقہ سے تعلق رکھنے والے اندر داخل نہ ہوں یا ان کے ساتھ کوئی لین دین نہیں کیا جا سکتا اگر یہ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے تو ایسا کرنے سے پہلے اِن کو موت آ جاتی یا ہدایت۔

فوراً دماغ نے پلٹا مارا اور سوال کر دیا

"حضرت، تقویٰ تو اللہ کو پتہ ہوگا ہمیں کیسے پتہ چلے گا کون مُتقی ہے یا نہیں"

"بیٹا آپ یہ تصور بھی کیسے کر سکتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ ایسی نشانی بتائیں گے جسکو کوئی جان ہی نہ سکتا ہو پھر تو کوئی فائدہ نہ ہوتا نشانی بتانے کا۔ سادہ سی بات ہے تقویٰ اللہ سے ڈرنے کو کہتے ہیں اب جو اللہ سے ڈرے گا وہ اُن باتوں سے بہت دور رہے گا جو اللہ کو پسند نہیں ہیں جیسا کہ شرک، بے حیائی، سُود، غیبت، جھوٹ وغیرہ اور اُن باتوں پر شوق سے عمل کرنے والا ہوگا جو اللہ کو پسند ہیں جس میں حقوق اللہ ہیں اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ کی قبولیت اور غلطی پر معافی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ فرما بھی چُکا ہے کہ اُس کی رحمت اُس کے غصے پر حاوی ہے مگر حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہے کیونکہ اِس میں کمی کوتاہی کی صورت میں ہمیں لوگوں سے ہی معافی مانگنی ہے اور توبہ کرنی ہے تاکہ دوبارہ غلطی نہ ہو سکے۔۔۔۔

غور کیا جائے تو تقویٰ کا سارا نچوڑ لوگوں کے حقوق پر آ کر رُک جاتا ہے اور جو بھی برتاؤ لوگوں کے ساتھ رکھا جائے وہ خُفیہ نہیں ہوتا وہ ہمارے عمل اور کردار سے روزانہ نظر آتا ہے اور یہی وہ نشانی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ عالم کی نشانی تقویٰ ہے نہ کہ علم۔

غور کریں کہ خود رسول اللہ حقوق اللہ میں اللہ کے کتنے قریب ہیں یہ ہم نہیں جان سکتے مگر حقوق العباد میں کیسے زندگی گزاری یہ ہم سب کو پتہ ہے اور یہی اصل تقویٰ ہے جو عمل سے ظاہر ہو کر نمایاں ہو جاتا۔ یہ بات سو فیصد قرآن سے مشابہت رکھتی جہاں اللہ فرماتا ہے ھُدًی لِلْمُتَّقِین یعنی یہ ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ جو حقوق العباد کے معاملے میں ہر بات ہر واقعہ اور ہر جُملہ بولتے وقت اللہ کا خوف مدِّ نظر رکھے گا اس کو قرآن سے ہدایت ملنا شروع ہو جائے گی اور جسکو قرآن سے ہدایت ملنا شروع ہو گئی وہی عالمِ دین ہے مگر وہ اِس مقام تک صرف تقویٰ کے ذریعے پہنچ سکتا ہے نہ کہ کتابوں کو یاد کر کے"

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی اصل بات یہی تھی کہ زمین پر رہنے والوں کا احساس آسمان والے سے محبت کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

مجھے وہ مشہور مولوی یاد آگئے جو TV پر آکر لیکچر دیا کرتے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں ان کو ماننے والے تھے مگر ان کے مدرسے میں پڑھنے والے میرے ایک دوست نے بتایا کہ اپنے مدرسے میں وہ اغلام بازی میں گرفتار پائے گئے تھے۔سو ظاہری علم تو بہت موجود تھا مگر تقویٰ کے میدان میں خالی ہاتھ تھے۔ ایک اور اِنٹرنیشنل مولوی صاحب بھی تھے جو سب سے زیادہ سُود کے خلاف لیکچرز دیتے تھے مگر اُن کے اپنے اکاؤنٹ سودی بینکوں کے اندر روزانہ منافع پاتے تھے اور یہ بات بھی میرے ہی

ایک دوست نے بتائی جو انھی سے متاثر ہو کر اُن کے اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں نوکری کر رہے تھے۔ اگر آپ ان دونوں مولویوں (اب میں عالم کا لفظ جان بوجھ کر استعمال نہیں کر رہا) کی گفتگو سُنیں تو لگتا کہ اِن سے بڑا دین کا کوئی ٹھیکیدار نہیں مگر تقویٰ کے میدان میں بیچارے خالی ہاتھ کھڑے تھے۔ یہ دونوں مولوی اب اس دنیا میں نہیں رہے اب اللہ اُن کی مغفرت فرمائے مگر مجھے یہ راز سمجھ آگیا تھا کہ عالم کی دلیل علم نہیں تقویٰ ہے۔

آگے کی ملاقات بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا چاہوں گا کہ میری صحابیؓ سے ملاقات کیسے ہوئی۔ میں نے دہائی سے بھی زیادہ عرصہ مولویوں، مفتیوں اور پیروں سے بہت سی مُلاقاتیں کیں اور ان سے اپنے سوالات کے جواب چاہے اور اپنے عقائد کو حق کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ سب اپنے اپنے فرقوں اور اپنے اپنے بڑوں کی اندھی عقیدت اور تقلید کا شکار ہیں۔جو اس ظاہری تقلید کے خلاف ہیں وہ بھی کسی نہ کسی امام یا مفسّر کی نہ نظر آنے والی تقلید کا ہی شکار ہیں۔

ویسے بھی آج کے مسلمان کے دامن میں یا تو بے عمل عقیدت ہے یا بے ادب شریعت۔

یہ جو کچھ کرتے اور لوگوں کو بتاتے ہیں وہ صرف انھی کی کتابوں میں میسر ہے اگر آپ اِن کے مخالف فرقوں کے مولویوں کو ملیں گے یا اُن کی

کتابیں پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا وہ بھی اپنے عقائد پر اُتنے ہی پکے ہیں اور اس کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ ایک دوسرے کو کافر یا شیطانی لشکر کہنا تو سرِعام کتابوں میں پرنٹ ہو رہا اور سٹیکرز بنا کر ہر جگہ چسپاں کیا گیا ہے۔ اس طرح ان سب کی اپنی اپنی دکانیں ہیں جو ان سب کی کمائی کا ذریعہ بھی ہیں۔ رہی سہی کسر اِن سب نے قرآن کے ترجموں اور تفسیروں میں نکال دی ہے جس کا ذکر میں آگے کروں گا۔

آپ کبھی سوچیں کہ قرآن کا ترجمہ یا تفسیر کون کرتا ہے۔ عام طور پر کوئی بھی بچہ جو کسی ایک مسلک میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی مسلک کی مساجد میں پڑھتا ہے، انہی کے مولویوں کو سنتا ہے اور انھی کی کتابوں سے دین کا خاکہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ زیادہ شوق ہو تو اُسی مسلک کے کسی بڑے مدرسے میں چلا جاتا ہے جہاں وہ انھی کے بتائے ہوئے طریقے سے پڑھ کر انہی کا 'بڑا عالم' بن جاتا ہے۔ اب جب یہی 'عالم' قرآن کا ترجمہ یا تفسیر لکھے گا تو کس مسلک کی لکھے گا؟ ممکن ہی نہیں کہ کسی ایک فرقہ کا عالم کسی دوسرے مسلک کی تفسیر لکھ دے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ علی ہجویریؒ نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا کہ برتن کے اندر سے وہ نکلتا ہے جو اسکے اندر ہوتا ہے۔ ان سب سے بیزار ہو کر میں نے مسلکوں کی قید سے آزاد ہو کرخود مطالعہ شروع کیا اور تمام مشہور تفاسیر، کُتبِ حدیث، فقہ اور تاریخِ اسلام پر نظر دوڑائی۔ عربی اور فارسی جاننے کی وجہ سے کافی آسانی رہی اور اردو مترجمین کی فنکاریوں سے بھی آگاہی ہوتی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی مسلک کی

کتابوں کے اندر ہی اختلاف پایا۔ کیونکہ یہ پھر ہمارے جیسے انسانوں کی ہی لکھی ہوئی کتابیں تھیں اور غلطی کسی بھی انسان سے ہو سکتی۔ یہ میں نے تو مان لیا مگر ان مولویوں، مقتیوں، اماموں اور پیروں کے ماننے والوں کو نہیں منا سکا۔ دین سے زیادہ شخصیت پرستی تھی کوئی اپنے بڑے کے بارے میں ایک لفظ بھی سُننے کو تیار نہیں چاہے قرآن بار بار چیخ چیخ کر کہتا رہے کہ مجھے آسان کر دیا گیا ہے تو کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔
علامہ اقبالؒ کا شعر یاد آتا تھا۔

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

مفہوم: اے اللہ تو نے قرآن میں بالکل سچے احکامات نازل کیے تھے مگر ہمارے تفسیر لکھنے والے اپنی عقل لڑا کر اس کو پاژند (بدھ مت کی مذہبی کتاب) جیسا بنا دیتے ہیں۔

ایک دفعہ میں ایک مشہور مولوی صاحب سے مِلا جن کی تقریباً پوری دنیا میں شہرت تھی۔ میں نے ان سے پوچھا انسان اشرف المخلوقات کیوں ہے؟ وہ کون سی خوبی ہے جو اس کو فرشتوں اور جِنوں سے بھی افضل بنا دیتی ہے۔

انھوں نے فوراً کہا علم۔ علم ہی ہے جو انسان کو باقی مخلوقات سے افضل

کرتا ہے۔
میں نے پوچھا

''اُس کا مطلب ہے جو جاہل یا بہت کم پڑھے لکھے ہیں وہ اشرف نہیں صرف پڑھے لکھے اشرف ہیں ایسا کیسے ہو سکتا اللہ نے تو انسان کو اشرف المخلوقات کہا ہے۔ اللہ نے یہ تو نہیں کہا کہ صرف پڑھے لکھے انسان اشرف المخلوقات ہیں یا انبیاء کو یا علماء کو۔ دوسری بات فرشتوں کو تو اللہ کے اُن احکامات کا بھی پتہ ہوتا جو ابھی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے جیسا کہ رزق، بارش، آفات اور موت وغیرہ تو اس لحاظ سے فرشتے زیادہ علم بھی رکھتے ہیں تو وہ افضل ہوئے۔ جِنّات بھی پہلے آسمان تک جا کر فرشتوں کے مابین ہونے والی گفتگو سُنتے ہیں جو کہ انسان کے علم میں نہیں آتی تو جِنّات بھی افضل ہوئے ہم سے''

اِس کے بعد انھوں نے مجھے آدھے گھنٹے کی تقریر کی جس میں انھوں نے مجھے باقاعدہ علم حاصل کرنے کی دعوت دی تا کہ میں صحیح علم حاصل کروں اور میرے ذہن میں ایسے سوالات ہی جنم نہ لیں۔

ایک اور بہت بڑے مفسّر صاحب سے بڑی مشکل سے وقت لے کر ملاقات ہوئی جنکی تفسیر بہت مشہورِ عام تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ قرآن کے آغاز میں ہی آپ نے بسم اللہ۔۔۔کا کیا ترجمہ کیا ہے؟

انھوں نے اس بچگانہ اور آسان سوال پر بڑے تعجب سے میری طرف دیکھا مگر جو دوست مجھے اُن کے پاس لے کر گیا وہ انہی کا شاگرد تھا اس کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے انکو جواب دینا پڑا بولے:

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے"

مجھے بھی پتہ تھا یہی ترجمہ ہے۔ میں نے معصومیت سے عرض کی

یہ بتائیں جو آپ نے لکھا ہوا ہے 'شروع کرتا ہوں' یہ بسم اللہ کے کون سے الفاظ کا مطلب ہے۔ آپ مجھ سے بہت بہتر عربی جانتے ہیں صرف حاضرین کی آسانی کے لیئے بیان کر رہا ہوں کہ

بسم اللہ یعنی اللہ کے نام سے
الرحمٰن یعنی بہت مہربان
الرحیم یعنی بہت رحم کرنے والا

تو اِس کا سادہ سا مطلب بنتا ہے

'اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے'

اب اس میں یہ ’شروع کرتا ہوں‘ کہاں سے آگیا؟

انہوں نے فوراً جواب دیا کسی لفظ کا مطلب تو نہیں ہے شروع کرنا مگر یہ قرآن کے اور ہر سورت کے شروع میں لکھی جاتی ہے اس لئے لگا دیا جاتا ہے کہ اس سے شروع کیا جا رہا ہے۔

میں اُن کے جواب سے مطمئن نہیں تھا مگر میں نے اسی پر مزید بحث کرنے کی بجائے اگلا سوال پوچھا

یہ ترجمہ کوئی لڑکی پڑھے گی تو ایسے ہی پڑھے جیسے آپنے لکھا ہے یا بدل کر ’شروع کرتی ہوں‘ پڑھ سکتی ہے

ایک دفعہ تو اُن کی آنکھیں پھیل گئیں پھر ذرا سنبھل کر سوچ کر بولے اس آیت میں عربی گرائمر ایسی ہے کہ کوئی خاتون اِس کو ’کرتی ہوں‘ بھی پڑھ سکتی ہے۔

میں نے کہا یہی بسم اللہ سورتہ نمل کی آیت نمبر 30 میں بھی آئی ہے جس میں حضرت سلیمانؑ ملکہ کو خط لکھ رہے ہیں اور ایسے لکھتے ہیں

ترجمہ: خط سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں

'اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے'

عربی تو دونوں جگہ ایک جیسی ہے یعنی بسم اللہ۔۔۔ تو کیا یہاں بھی لڑکی کرتی ہوں پڑھ سکتی ہے۔ اگر آپکی بات مان لی جائے تو پھر اِس آیت کا تو مطلب ہی غلط ہو جائے گا کیونکہ یہ تو حضرت سلیمانؑ کی طرف سے خط تھا

اس سوال کے بعد مجھے جو کچھ سننے کو ملا وہ کسی بھی کتاب میں لکھنے لائق نہیں ہے مگر اُن مولوی کی شائستہ زبان سے میرے لئے قصیدہ سن کر میرے دوست کا ذہن اس مولوی صاحب سے ہٹ گیا اور اس نے بھی وہاں آنا جانا چھوڑ دیا۔

میں نے پھر بھی اُٹھنے سے پہلے عرض کی

"اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا" اگر یہ ترجمہ کر دیا جائے تو مرد عورت کی تفریق نہیں کرنی پڑے گے اور آیت کا مطلب دونوں جگہ ایک جیسا رہے گا اور رہنا بھی چاہیے کیونکہ عربی دونوں جگہ ایک جیسی ہے۔ آپکے خیال میں یہ ترجمہ بہتر نہیں؟ اور ویسے بھی اللہ نے اِس قرآن کو ہماری کامن سینس پر نہیں چھوڑا کہ جیسا جہاں ٹھیک لگے پڑھ لیا کریں بلکہ اِس کا لفظ لفظ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔"

وہ اب نسبتاً غصے سے بولے

"تُم اپنا ایک ذاتی ترجمہ کرلو اور اُسی کو پڑھا کرو تمھیں اِن علماء کا ترجمہ پسند نہیں آئے گا جنھوں نے تمھاری عمر جتنا وقت تحقیق اور تبلیغ میں صَرف کر دیا۔"

ایک پیر صاحب سے ملاقات کا احوال بھی لکھے دیتا ہوں جنکے ایک مرید جو میرے دوست ہیں وہ مجھے اُن کے پاس لے گئے تاکہ میں راہِ ہدایت پا سکوں۔ میں نے راہ ہدایت پانے سے دو منٹ پہلے ہی دو سوال کر ڈالے اورشرط رکھی کہ سادہ اور مختصر جواب عنایت فرمائیں۔ میں نے اُن سے پوچھا:

"نماز میں رفع یدین (یعنی رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کو اُٹھانا) کرنا چاہئے یا نہیں"

انھوں نے کہا بالکل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنے کو حدیث میں گھوڑوں کی دُموں سے تشبیح دی گئی ہے اِس لئے صحیح طریقہءِ نماز یہی ہے کہ رفع یدین نہ کیا جائے۔

میں نے کہا کہ آپ کے بڑے شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ جن کو آپ غوث

اعظم بھی کہتے ہیں وہ رفع یدین کے ساتھ ہی نماز پڑھتے تھے اور اسی کو درست مانتے تھے تو آپ کے مطابق ان کو صحیح نماز پڑھنی نہیں آتی تھی؟

ان کے چہرے سے ناگواری جھلکی اور سوچ میں پڑ گئے۔ اب وہ اُن کو غلط بھی نہیں کہہ سکتے تھے اور اپنی غلطی ماننا تو ہماری تربیت میں ہی نہیں ہے۔ ان کی لمبی خاموشی کے بعد میں نے اگلا سوال کر دیا:

"آپ یہ مانتے ہیں کہ عبدالقادرؒ نے 'غنیتہ الطالبین' نامی کتاب لکھی ہے اور جو آپ لوگ پرنٹ کر رہے وہ بالکل اصلی نسخہ ہے"

وہ بولے کچھ نہیں صرف ہاں میں سر ہلایا اور ہلکا سا 'ہوں' نکلا انکے منہ سے۔

میں نے کہا اس کتاب 'غنیتہ الطالبین' میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا یومِ پیدائش 10 محرم الحرام لکھا ہے۔ اور پرنٹنگ کی غلطی سے نہیں لکھا گیا کیوں کہ انھوں نے عاشورہ کے فضائل کے خانے میں جہاں سارے انبیاء کے تاریخی واقعات کا ذکر کیا وہیں حضورﷺ کی پیدائش بھی 10 محرم الحرام لکھی ہے۔ کیا یہ پرنٹنگ کی غلطی ہے یا اُن سے غیرارادی طور پر لکھا گیا ہے؟

جو بھی ہوا مگر غلط ہے تو اس کو درست کیوں نہیں کرتے مدتوں سے آپ اِس کو غلط کیوں پرنٹ کر رہے ہیں اس سے لوگوں میں مزید اختلاف پھیلے گا۔

ان کی طرف سے پھر ایک لمبی خاموشی تھی پھر میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے بولے

"تمھاری سب تحقیق اللہ کے نیک ولیوں کے خلاف ہی ہے اِس طرح تو انسان ساری زندگی دوسروں کی غلطیاں تلاش کرنے میں لگا رہتا اور کبھی اپنی آخرت درست نہیں کر سکتا"

میں نے کہا

"جناب میں بالکل بھی کسی شخصیت یا عقیدہ کے خلاف نہیں مگر جو چیزیں آپ لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں خصوصاً نوجوانوں کو، وہ درست ہونی چاہیے کیونکہ لوگوں نے اُس کو اپنا ایمان بنا لینا ہے اور پھر شاید زندگی بھر وہ اِس کو ٹھیک سمجھ کر ہی چلتے رہیں گے۔۔۔

چلیں ہم اولیاء اللہ کی بات نہیں کرتے۔ میں آپ سے صرف رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا ہوں آپ یہ بتائیں کہ آپکے علم و عقیدہ کے

مطابق رسول اللہ ﷺ کو مکمل علمِ غیب حاصل تھا یا باقی انبیاء کی طرح بس جتنا اس دور کی ضرورت تھی اُتنا ہی، جیسا کہ جنت دوزخ قیامت اور فرشتوں وغیرہ کا علم؟"

انھوں نے جواب میں پہلے تو نبی کریم ﷺ کی شان میں ایک لمبی تقریر کی جس سے تقریباً سب مسلمان متفق ہیں پھر آخر میں بولے

"وہ تمام نبیوں کے سردار ہیں تمام نبیوں پر گواہ ہیں ان کی ذات مکمل ہے اس لئے ان کا ظاہری علم اور علمِ غیب بھی مکمل ہے"

میں نے کہا ایک قرآن میں سورۃ یوسف میں جب اللہ حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کرنے لگتا ہے تو ایسے آغاز کرتا ہے

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ

ترجمہ: اے نبی ہم تمھاری طرف ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اس قرآن کے ذریعے جسے ہم نے تمھاری طرف وحی کیا ہے اگر چہ تم اس سے پہلے غافلین میں سے تھے

یا وہ آیت بتا دیں کیا کہہ رہی سورۃ ص کی 69 نمبر

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ

ترجمہ: مجھے اس وقت کی کوئی خبر نہ تھی جب عالمِ بالا میں بحث ہو رہی تھی

اِس سوال کے بعد کا منظر بھی لکھنے لائق نہیں ہے مگر گھر واپس آنے تک وہ حدیث بار بار یاد آتی رہی

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ مومن نہ گالی دیتا ہے نہ لعنت کرتا ہے۔

باقی قارئین سمجھدار ہیں منظر کشی خود کر لیں گے۔مشہور صوفی شاعر سلطان باھوؒ کا مصرہ یاد آیا

علموں باہج جو کرے فقیری، کافر مرے دیوانہ ہو

مفہوم: بغیر علم کے فقیری کا دعویٰ کرنے والا کافر یا دیوانہ ہو کر مرتا ہے

شاید یہی وہ وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی جوتیاں (نعلین) دن بدن مشہور ہوتی جا رہی ہیں اور ان کے نقشِ قدم گمنام ہو تے جا رہے۔

ایک اور مفتی صاحب جو بیرونِ ملک مقیم تھے اور آن لائن دین کے مسائل بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ اپنے فقہ کے مطابق دین کے مسائل کا حل بتاتے تھے اُن کے ایک ماننے والے نے مجھے اُن سے رابطہ کرنے کے لئے کہا۔ وہ ای میل کے ذریعے بھی جواب دیتے تھے سو میں نے انھیں ایک ای میل کی جسکا خلاصہ یہ ہے :

"محترم، سورۃ احزاب آیت 56 میں اللہ فرماتا ہے کہ

'اللہ اور اس کے فرشتے نبیﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تُم بھی آپﷺ پر درود اور سلام بھیجو خوب تر'

اس آیت میں واضح حکم ہے ہم نے نبی ﷺ پر دو چیزیں بھیجنی ہیں درود اور سلام۔ اگر حدیث اور نماز کی کتابوں میں دیکھا جائے تو یہ درود عام ہیں:

اَللّٰھُمّ صَلِّ علیٰ محمد و اٰلِ محمد

ترجمہ: اے اللہ تو محمدﷺ اور اُن کی اٰل پر درود بھیج

دوسرا درودِ ابراہیمی ہے جس میں ہم محمد و اٰلِ محمد پر درود بھیجتے ہیں جیسا

کہ ابراہیمؑ اور اٰلِ ابراہیمؑ پر درود ہے۔ اگر اہل تشیع اور باقی تمام مسالک کی نمازوں اور مشہور کتابوں کو جمع کیا جائے تو یہی درود عام ہیں اور دونوں درود کی حد تک ٹھیک تو ہیں مگر مکمل نہیں کیونکہ اللہ نے اوپر آیہ مبارکہ میں ہم سے دُرود اور سلام مانگا ہے نہ کہ صرف دُرود۔ مزید یہ کہ مجھے اپنے دُرود کی تصدیق کے لئے کوئی حدیث مت بھیجئے گا کیونکہ جہاں قرآن کی واضح آیت ہو وہاں صرف وہی حدیث سُنی جا سکتی جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ لکھنے والوں سے کوئی کمی رہ گئی تو آج سے اصلاح کر لی جائے یہ بہتر ہے بجائے اپنے ہی نامکمل درود کو سلام ثابت کرنے کوشش کی جائے۔۔۔

دوسری بات اگر آپ آیت پر غور فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ خود اور اسکے فرشتے تو درود بھیج ہی رہے ہیں، اصل میں تو ہم کو کہا جا رہا کہ ہم بھی درود اور سلام بھیجیں اور ہم جو درود پڑھتے ہیں اس میں پھر اللہ سے ہی کہہ رہے ہوتے ہیں اللہ تُو ان پر درود اورسلام بھیج حالانکہ وہ بتا چکا کہ وہ درود بھیجتا ہے اُسے آپکی طرف سے ہدایات کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔

پھرآپکی کتابیں بھری پڑی ہیں جو درود کو عبادت بتلاتی ہیں اور اسکے پڑھنے کے فضائل تو بدرجہ انتہا لکھ دیے گئے ہیں۔ یہ بھی وضاحت فرما دیں کہ اگر درود عبادت ہے تو اللہ کیسے عبادت کر سکتا؟ یہ تو شرک نہیں ہو جائے

گا ایسا کہنا؟ وہ تو واحد لائقِ عبادت ہے یہ ہم سب جانتے اور مانتے ہیں۔ آپکے جواب کا منتظر۔۔۔

اور میں آج تک بھی اس جواب کا مُنتظر ہوں، اور یہی سوال بہت سے اور مولویوں کو بھی پوچھا تھا مگر سوال گوشت جواب چنا والا حساب نکلا۔ کچھ لوگوں نے اور بھی دُرود نکال لئے اپنی کتابوں سے جن میں سلام بھی شامل تھا۔ یقین جانئے وہ درود اور سلام تو تھے مگر سوچیں جس درود کو ڈھونڈنے کے لئے ہمیں کتابیں چھاننی پڑیں وہ ہم پڑھتے یا پڑھاتے کب ہونگے اور اکثریت نے تو پھر اللہ کو ہی درود بھیجنے پر لگا رکھا ہے۔

ایک اور ایسے ہی مشہور مولوی صاحب جو عربی سکھاتے تھے، ان کو میں پوچھ بیٹھا کہ عربی میں لفظ ذَالِکَ کا کیا مطلب ہے وہ فوراً بولے ذَالِکَ کا مطلب ہے 'وہ' اور یہ درست ہے کسی بھی عربی سے اردو ڈکشنری میں دیکھیں تو یہی مطلب ہے

میں نے پوچھا جناب سورۃ بقرہ کی پہلی آیت کا مطلب کیا ہے جس میں اللہ فرما رہا ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ

اب انھوں نے ترجمہ کیا

یہ اللہ کی کتاب ہے جس میں کوئی عیب نہیں

میں نے پوچھا 'ذالک' کا مطلب اگر 'وہ' ہے تو ترجمہ میں 'یہ' کیوں لکھا جاتا ہے ہم اُس کا وہی ترجمہ کیوں نہیں لکھ دیتے جو اُس کا مطلب بنتا ہے۔ 'یہ' لکھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اسی قرآن کی بات ہو رہی اور 'وہ' لکھنے سے مراد ہوگا کوئی اور کتاب جس میں عیب نہیں ہے

تو اُن کا جواب تھا کہ سب 'بڑے بڑے علماء' نے یہی لکھا ہے تمھارا مطلب ہے وہ سب غلط ہیں؟

میں اُن کے جواب سے سمجھ گیا تھا کہ اُنھوں نے کبھی سوچنا گوارا نہیں کیا کہ کتاب اور چیز ہے اور قرآن اور۔ کتاب اور قرآن کے فرق سے تو بہت ہی کم لوگوں کو آشنا پایا میں نے۔

خیر! یہ صرف اُن صاحب کا مسئلہ نہیں تقریباً پوری اُمت کا مسئلہ ہے کہ ہم نے آنکھیں بند کرکے اپنے ہی مسلک کے 'بڑے بڑے' مولویوں کے پیچھے چلنا ہے اور ہمارے اندر یہ اخلاقی جُرات ہی نہیں پیدا ہو پاتی کہ ہم اُن میں سے کسی کے ذاتی فلسفے پر اعتراض کرسکیں اور اُمت کی اصلاح کی خاطر اس کو نمایاں کریں۔

میں نے اُن سے کہا چلیں یہ بتائیں قرآن کی سورتہ مریم کی آیت ہے جس میں قرآن نے مریمؑ کو ھارونؑ کی بہن کہہ کر پُکارا ہے جبکہ مریمؑ اور ھارونؑ کے درمیان پندرہ سو سالوں کا فرق ہے تو یہ اُن کی بہن کیسے ہو سکتی ہیں؟

اب اُن کا جواب ایسا تھا جِس سے تمام باقی سوالوں کی موت واقع ہو گئی اور میں وہاں سے اُٹھ آیا۔

وہ بولے تھے

اگر یہ پتہ چل بھی جائے کہ مریمؑ ھارونؑ کی بہن کیسے ہیں تو ہمیں کیا فرق پڑتا ہے اُس سے۔ہمیں اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور ایسا علم حاصل کرنے سے بچنا چاہیے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو

میں اُن سے نہیں کہہ پایا قرآن کی کوئی آیت کوئی لفظ ایسا نہیں جو ہمارے لئے معنی و ہدایت سے پاک ہو۔ اللہ نے قرآن کو ہدایت کہا ہے تو اِس کا حرف حرف ہدایت ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ میرے ایک قریبی دوست مجھے ایک قرآن کانفرنس میں لے گئے جہاں بقول اُن کے 'بڑے بڑے' قرآن کے علماء نے آنا تھا

اور تقاریر کرنی تھیں۔ کافی گھنٹے تک بہت سی تقریریں سننے کے بعد شکر کیا جب آذان ہوئی پھر کھانے کا اہتمام تھا اور اُس کے بعد وہ مجھے ایک بہت بڑے مدرسِ قرآن کے پاس لے گئے اور تعارف کرایا۔

انھوں نے بہت پیار کیا کہا بیٹا پوچھیں کیا پوچھنا چاہتے ہیں اگر مجھ سے ہو سکا تو میں جواب دینے کی کوشش کروں گا

مجھے اُن کا انداز دیکھ کر ہی خوشی ہوئی کہ چلو کوئی عاجزی کے ساتھ کہہ تو رہا ہے کہ کوشش کروں گا نہ کہ دعویٰ کر رہا ہو کہ مجھے سب آتا ہے۔ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ اللہ کو انسانوں کی عادتوں میں عاجزی بہت پسند ہے کیونکہ یہ وہ صفت ہے جو اللہ کے پاس ہو نہیں سکتی کیونکہ یہ اُس کے شایانِ شان نہیں ہے اُس سے بڑا کوئی ہے جو نہیں جِس کے سامنے وہ عاجز ہو اِسی لیے ہماری اس عادت کو وہ بہت پسند فرماتا ہے۔

خیر میں نے سورۃ الحجر کی آیت نمبر87 پڑھی

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ

"مجھے اِس آیت کا اصلی مطلب جاننا ہے کیونکہ جو ترجموں میں لکھا گیا ہے اور تفسیروں میں بھی وہ مجھے تو ہضم نہیں ہو رہے"

انھوں نے بہت پیار اور مسکراہٹ سے میری بات سنی، پہلے آیت دہرائی اور پھر اُس کا ترجمہ بولے اِس طرح سے

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ

ترجمہ: اور یقناً ہم نے آپ کو سات آیات عطا کیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن بھی

اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ کہتے میں بول پڑا

"یہ تو آپ نے وہی سب مولویوں کا ترجمہ بول دِیا، مجھے یہ ترجمہ پتہ ہے اور میں سات آٹھ تفاسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ سے پوچھ رہا ہوں"

انھوں نے پھر بہت مدھم اور پیار بھرے لہجے میں پوچھا

"بیٹا آپ کو اس ترجمہ پر کیا اعتراض ہے وہ بتائیں کھل کر تاکہ ہم اُسی کو دُور کرنے کی کوشش کر سکیں"

اتنے میں کچھ اور سفید پگڑیوں والے نوجوان بھی ہمارے ارد گرد آ کر بیٹھ گئے وہ یقینا ان کے شاگرد ہونگے انھوں نے سمجھا کوئی درس چل رہا تو وہ بھی بیٹھ گئے۔

میں نے اپنا سوال واضح کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

"جناب آپ تو عربی خوب جانتے ہیں اور مجھ سے تو بہت زیادہ، میں قطعاً آپکو عربی نہیں سکھا رہا مگر آپ اس آیت کے الفاظ دیکھیں اور ان کا معنی بھی آپکو پتہ ہو گا

وَلَقَد۔ یقینا
اٰتیناکَ۔ عطا کی یا دی
سبع۔ سات
من المثانی۔ دہرائی جانے والی
و القرآن۔ اور قرآن
عظیم۔ عظمت والا

اس آیت میں آیت کا لفظ کہاں ہے جو آپ ترجمہ میں کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے سات آیات عطا کی ہیں جبکہ اللہ تو کہہ رہا ہے کہ سات عطا کی ہیں جو دہرائی جاتی ہیں کیا چیز ہے وہ نہیں لکھا پھر ہم نے اپنی طرف سے لفظ آیت کیوں ڈال دیتے ہیں بیچ میں"

انھوں نے پھر مُسکراتے ہوئے کہا

"برخوردار فقہاء اور علماء نے اِس پر تحقیق کی ہے اور یہ دیکھا کہ سورۃ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوئی ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں۔ اس میں سات آیات ہیں اور دو دفعہ آئی ہیں یعنی دہرائی گئی ہیں اور ہر نماز میں بھی کم از کم دو دفعہ دہرائی جاتی ہیں اس لئے یہاں سبع المثانی سے مراد سورہ فاتحہ ہے"

میں چونکہ یہ ساری تاویلیں اور تفسیریں پڑھ چکا تھا اس لئے اُن سے عرض کی

"جب لفظ قرآن آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ اُس میں شامل ہے تو اس لئے ان سات آیات کو الگ سے لکھنا اصولِ کتابت کے خلاف ہے اِسی لئے اللہ نے تو لفظ آیت استعمال بھی نہیں فرمایا یہ تو ہم لوگوں نے Brackets کے اندر ڈال کر اپنا خیال بتایا اور دوسری بات یہ کہ اس آیت میں سات کا ذکر ہے آیات کا نہیں اور اگر میں مان بھی لوں کہ اللہ نے سات کا مطلب آیات ہی کہا ہے تو مزے کی بات یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں چھ آیات ہیں سات نہیں"

اب انھوں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے ہونٹ ہلائے جیسے دل میں پڑھ رہے ہوں پھر میری طرف دیکھا۔ پہلی دفعہ اس ملاقات میں اُن کے چہرے سے مسکراہٹ ہٹی اور اُس کی جگہ حیرانی نے لے لی پھر بولے

"واقعی برخوردار، کچھ پرنٹنگ میں آخری آیت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے سات بنا دیا جاتا ہے مگر۔۔۔ آپ صحیح کہہ رہے ہو ہم نے کبھی اِتنا غور ہی نہیں کیا اور مجھے حیرت ہے کہ اِس سے پہلے اتنے بڑے بڑے علما بھی ایسے ہی لکھتے اور پڑھتے رہے۔ کہاں سے پڑھتے ہو قرآن؟"

میں نے اپنے دوست کے کندھے پر ہاتھ لگا کر کہا

"جناب آپ کے یہ شاگرد مجھے مدت سے جانتے ہیں میں کسی سے نہیں پڑھتا نہ دنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اُسنے مجھے قرآن پڑھایا، خود مطالعہ کرتا ہوں اور رُک رُک کر پڑھتا ہوں اور غور کرتا ہوں ہر ہر لفظ اور آیت پر۔ مجھے لگتا ہے یہ میرے لئے آیا ہے تو مجھے خود سے اِس کو پڑھنا ہے جب یہ بار بار غور و فکر کرنے کو کہتا ہے تو مجھ سے کہہ رہا ہے نہ کہ کسی مفتی صاحب سے یا پیر صاحب سے"

وہ دوبارہ مسکراتے ہوئے بولے

بات ٹھیک ہے بیٹا مگر کہیں نہ کہیں ہم سب کو استاد کی ضرورت پڑتی ہے ورنہ یا تو انسان در بدر بھٹکتا رہتا ہے یا اللہ نہ کرے گمراہ ہونے کا بھی خدشہ رہتا ہے

میں نے نہایت ادب سے عرض کی

میں بھی اُستاد کی اہمیت مانتا ہوں اور اُس کی تلاش میں بھی ہوں مگر میرے ذہن میں استاد کا تصور وہ ہے جو قرآن کے مطابق غور و تفکر کرنے والا ہوگا نہ کہ لکیر کا فقیر بن کر چلنے والا۔ جس کے سامنے آپ کوئی بھی سوال کرتے وقت جھجھک محسوس نہ کریں اور اُس کے پاس اُن تمام سوالوں کے ممکن جواب ہوں جو قرآن پڑھنے سے انسانی ذہن میں آتے ہیں یا آسکتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے اساتذہ یا تو اپنے استاد کی تقلید میں لگا دیتے ہیں یا کسی امام کی یا تقلید کے خلاف کر کے پھر اپنے بڑوں کی تفسیروں اور کتابوں میں لگا دیتے ہیں جو تقلید کی ہی ایک شکل ہے بس تقلید کا نام نہیں لیا جاتا۔ میں معذرت چاہتا ہوں میں آپکو نہیں کہہ رہا مگر مجھے ایسا استاد نہیں چاہیے جو دوسروں کی دی ہوئی ترجمہ و تفسیر و تاریخی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کو علم کہتا رہے

وہ پھر پیار سے مُسکرائے اور اُن کی یہی مُسکراہٹ اور نرم مزاجی اس محفل میں تناؤ کو داخل نہیں ہونے دی رہی تھی۔ پھر بولے

ماشاء اللہ۔ کوئی اور بھی آیت ہے جس کا مطلب آپکے خیال میں وہ نہیں ہے جو لکھا گیا ہے؟

اب میری مسکرانے کی باری تھی۔ پہلی دفعہ کسی مولوی صاحب نے مجھے بُرا بھلا نہیں کہا تھا نہ مجھے طنز کیا تھا اور نہ مجھے اپنے مدرسے میں آکر

باقاعدہ 'تعلیم' حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اِس سے بڑا کمال اِن صاحب کا اندازِ گفتگو تھا جس میں پیار تھا، اخلاص تھا اور کہیں سے کوئی علمی غرور نہیں جھلک رہا تھا بلکہ اپنی کم علمی کو تسلیم کرنے میں بھی ان کو کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ یہ سب نشانیاں بڑے لوگوں کی ہوتی ہیں میرے دل میں اُن کے لئے آج تک عزت قائم ہے۔ ہر تحقیق کرنے والے کی تحقیق کو جب سراہا جائے تو اُسے اچھا محسوس ہوتا ہے، مجھے بھی بہت اچھا لگا۔

صحیح کہتے ہیں کہ الفاظ اور انداز ہی وہ چابیاں ہیں جن سے دل کا دروازہ کھولا جا سکتا ہے اور جو ان چابیوں سے بھی نہ کھلے وہ آپکا دروازہ ہی نہیں ہے

میں نے کہا

"سینکڑوں آیات ہیں جہاں ہم نے آیت پر غور کرنے کے بجائے وہ عقیدہ لکھ دِیا ہے جو ہمیں بچپن سے پڑھا دِیا جاتا ہے کیونکہ اگر ہم اُس کا وہ ترجمہ نہیں لکھیں گے تو ہمیں اپنے عمل کو بدلنا پڑے گا اور وہ مشکل کام ہے اس لئے ترجمہ وتفسیر کوبدل دیا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ عنکبوت آیت 48 میں آتا ہے

ترجمہ: آپؐ اِس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے اگر ایسا

ہوتا تو باطل آپ پر شک کرتے

اب اِس آیت کو نبی کریم ﷺ کے ان پڑھ ہونے کا جواز بنا کر پیش کیا جاتا ہے معاذ اللہ کہ نہ ان کو پڑھنا آتا تھا نہ لکھنا۔ اگر آپ اس آیت کی عربی پڑھیں تو کتاب پڑھنے کے لئے 'تَتلُو' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب آپ لغت کی کتابوں میں دیکھ لیں جو ہوتا ہے کسی چیز کو عمل کرنے کے لئے پڑھنا اور عمل کرنے کے لئے آپ اُسی کتاب کو پڑھتے ہیں جس پر آپ کو یقین ہو کہ یہ عمل کے لائق ہے تو اللہ کہہ رہا ہے رسول ﷺ کسی بھی کتاب کو اِس قابل سمجھ کر نہیں پڑھتے تھے کہ اُس پر عمل کیا جائے اور جو پوری انسانیت کو پڑھانے آیا تھا اُس کو ہم نے (معاذاللہ) ان پڑھ ثابت کر دیا اور اپنے آپ کو پڑھا لکھا"

وہ بہت غور اور شوق سے میری گفتگو سُنتے رہے اور میں کافی دیر تک بولتا رہا۔ ان کے شاگرد بھی ہر بات پر پہلے اُن کا چہرہ دیکھتے اور ان کو مطمئن پا کر پھر میری بات سُننے لگ جاتے۔

سورۃ نساء آیت 136 کا دیکھیں ہم نے کیا حال کیا تفسیر میں

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ ایمان لاؤ اللہ پر اُسکے رسول پر، کتاب پر جو رسول پر نازل کی اور پہلے رسولوں اور ان کی کتابوں پر

اب دیکھیں اِس آیت میں کس کو مخاطب کیا گیا ہے جو ایمان لائے ہیں اور انہی کو کہا جا رہا ہے ایمان لاؤ اللہ پر، رسولوں پر اور کتابوں پر۔ اگر وہ ان تینوں چیزوں پر ایمان ہی نہیں لائے ابھی تک تو پھر اُن کو ایمان والے کیوں کہہ کر بُلایا جا رہا ہے یعنی ایمان کسی اور چیز کو بھی کہتے ہیں کیونکہ ایمان والے کہہ کر حکم دِیا جا رہا ہے کہ اب اللہ پر، رسولوں اور کتابوں پر بھی ایمان لاؤ۔۔۔

المیہ یہ ہے کہ تفسیر کرنے والوں نے لکھ دِیا کہ ایمان والوں سے جب کوئی غلطی یا گناہ ہو جائے تو اُن کے لئے کہا جا رہا کہ وہ دوبارہ ایمان لائیں، کتنی عجیب بات ہے نا کہ غلطی یا گناہ ہونے کی صورت میں اُن کی ایمان کی ڈگری جعلی ہوگئی اور اب اُن کو دوبارہ امتحان دینا پڑے گا۔ تو جس کا میٹرک میں ایک بھی مضمون فیل ہو جائے اُس کو میٹرک پاس تو کہا ہی نہیں جا سکتا جبکہ اللہ پھر بھی اُن کو ایمان والا کہہ رہا“

وہ اپنے شاگردوں کو دیکھ کر بولے بیٹا لکھ لینا بعد میں یاد نہیں رہتی اور وہ ساتھ ساتھ لکھنا شروع ہو گئے اور میں چُپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

”سورۃ فتح کی پہلی دو آیتوں کا ترجمہ دیکھیں۔۔۔

’ہم نے آپکو واضح فتح عطا کی۔ تاکہ اللہ آپکے اگلے اور پچھلے گناہوں کو

معاف فرمائے اور تُم پر اپنی نعمت مکمل کر دے اور تمھیں سیدھا راستہ دکھائے‘

90 فیصد مولویوں نے تو اِس آیت کو نبی کریم ﷺ پر ثابت کرتے ہوئے لکھا کہ اللہ نے انکے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے میں نے ان میں سے بہت ساروں سے پوچھا ہے کہ جِس نبی کی ساری زندگی لکھی ہوئی ہے اُس کے مجھے کچھ گناہ بھی دِکھا دیں جو اُس نے کیے ہوں (معاذاللہ) اور اگر اُس نے گناہ کیے ہی نہیں تو یہ آیت اُن کے لئے ہے ہی نہیں نہ اس کا مخاطب رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے اور جنھوں نے لکھا ہے انھوں نے گستاخیِ رسول کی ہے مگر آپ لوگ اُن کے بارے میں کچھ نہیں بولتے کیونکہ وہ آپ کے فرقوں کے بڑے ہیں۔۔۔

اور اگر اِس آیت کا مقصد رسول اللہ کی ذات نہیں ہے تو پھر جن کے لئے یہ آیت آئی ہے اُن کے نام لوگوں کو بتانے چاہیے تاکہ لوگوں کو پتہ ہو کہ کن ہستیوں کے گناہ اللہ نے پہلے سے ہی معاف کر رکھے ہیں اگر تاریخ میں اُن سے کوئی غلطی نظر آ بھی جائے تو وہ نظر انداز ہونی چاہیے انکو تو ایڈوانس معافی مل چکی ہے کیونکہ یہاں تو لوگ اُن کی باتیں کر کر کے لڑ مر رہے ہیں صدیوں سے

سورۃ انبیاء کی آیت 63 اور اس سے پہلے کی آیات میں دیکھ لیں جب

حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بُت کو چھوڑ دیا اور جب بُت پرست آکر ان سے پوچھتے ہیں کہ بتوں کو کس نے توڑا ہے تو ابراہیمؑ نے جو جواب دیا وہ آپ آیت میں ملاحظہ کریں اگر آپ چاہیں تو اپنا قرآن اُٹھا لائیں تا کہ آپ کو یقین ہو کہ میں اپنی طرف سے ترجمہ نہیں کر رہا آپ لوگوں کا ہی پڑھ رہا ہوں۔

انھوں نے کہا

"نہیں بیٹا ایک تو مجھے تقریباً سب یاد ہے اور دوسرا یہ بچے جو بیٹھے ہیں یہ حافظ بھی ہیں اور دورہِ تفسیر بھی کر رہے ہیں اس لئے آپ بتاتے جائیں"

میں نے آیت پڑھی اور اس کا ترجمہ بھی

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ

ترجمہ: آپ (ابراہیم) نے کہا اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے انھی سے پوچھ لو اگر بول سکتے ہیں

اب دیکھیں بتوں کو کس نے توڑا؟ حضرت ابراہیمؑ نے مگر جب پوچھا جا رہا ہے تواس ترجمے کے مطابق ابراہیمؑ کیا جواب دے رہے ہیں کہ بڑے بُت

نے سب چھوٹوں کو توڑا ہے۔ کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟ کیسے ممکن ہے اللہ کا کوئی نبی جھوٹ بولے۔ میں نے تقریباً ہر مکتبِ فکر کا ترجمہ دیکھا سب نے ابراہیمؑ کو ہی جھوٹ بولتے لکھا ہے اسی قرآن میں اللہ نے کئی مقامات پر 'ابرہیم حنیفا' اور 'صدیق نبی' یعنی ابراہیم بالکل سچا ہے، باطل سے بچنے والا ہے۔ ایک تو ہم سب کا ایمان ہے کہ کوئی بھی نبی جھوٹ نہیں بول سکتا اوپر سے ابراہیمؑ کو اتنی بار سچا بولا گیا الگ سے تو جو بالکل سچا ہو وہ جھوٹ کیسے بول سکتا ہے۔ حیرت ہے اتنا اتنا عرصہ مدرسوں میں پڑھنے کے بعد بھی ان سے ایک سادہ سی عربی کا ترجمہ بھی صحیح نہیں ہو پاتا اور ان کی کم عقلی کی سزا تمام اُمت کو بھگتنی پڑتی ہے کئی غیر مسلموں نے قرآن پر جو الزام لگائے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن ابراہیمؑ کو جھوٹ بولنے والا ثابت کرتا ہے کیونکہ ہم سب نے یہی ترجمہ لکھا ہے اور افسوس کہ سب آنکھیں بند کر کے اس کو قرآن سمجھ کے پڑھتے جاتے ہیں۔ اور یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جن کی مادری زبان عربی ہے کیونکہ ان کے دماغوں میں بھی پہلے عقیدہ ڈال دیا جاتا ہے اور وہ بھی اسی عقیدے سے قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔ اصل وجہ ایک حدیث ہے جس میں لکھا ہوا کہ ابرہیم نے زندگی میں تین بار جھوٹ بولا (معاذاللہ)۔انھوں نے اس حدیث کو سچا ثابت کر دیا اور ابرہیم کو جھوٹا۔۔۔

قرآن کی سب سے لمبی آیت پر غور کریں،سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 282، جس میں اللہ فرماتا ہے کہ جب ایمان والے کسی معینہ مدت کے معاہدہ

کریں تو گواہ بنا لیں، دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو۔ میں اس آیت کے ضمن میں اکثر لوگوں کو پوچھ چکا ہو ں کہ دو عورتوں کی گواہی کا ذکر صرف معینہ مدت کے معاہدوں کے لئے آیا ہے۔ اگر معاہدہ غیر معینہ مدت کے لئے کیا گیا ہے تو کیا ایک عورت کی گواہی بھی کافی ہے کیونکہ دو عورتوں کی گواہی کا ذکر تو صرف معینہ مدت کے معاہدوں کے لئے ہے اور آگے جو جواز ہے کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسکو یاد کرا دے۔ اب دیکھیں 'ضل' کے لفظ کا مطلب بھی انھوں نے بھولنا ہی لکھ دیا کیونکہ ثابت کرنا تھا کہ دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے کیونکہ انکے مطابق صرف عورت ہی بھول سکتی ہے ورنہ 'ضل' کا مطلب تو صاف گمراہی کی طرف جاتا ہے

میں نے ان کے ایک شاگرد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا

"بھائی آپ بتائیں مومن کسے کہتے ہیں، یقین جانیں میرا مقصد آپکا علم دیکھنا نہیں ہے میں صرف ایک تمہید باندھنا چاہ رہا ہوں اور اس میں مجھے آپکا خیال جاننا ہے"

وہ فوراً بولے

"مومن وہ ہوتا جس کے دل میں ایمان پایا جائے جو خدا اور رسول ﷺ کے آگے اس طرح جھک جائے کہ اسکے دل میں خدا اور رسول کے

بارے میں کوئی بھی شک باقی نہ رہے"

میں نے کہا

جُی بالکل یہی یا ایسی ہی تعریفیں آپکو سب کتابوں میں ملتی ہیں تھوڑے سے الفاظ کے بدلاؤ کے ساتھ۔ اب غور کریں مومن کی تعریف میں جو بھی نشانی بتائی جا رہی وہ دل میں ایمان کا ہونا ہے چاہے اللہ کے بارے میں ہو یا رسول اللہ کے بارے میں یا باقی چیزوں کے بارے میں جیسے فرشتے کتابیں جنت دوزخ وغیرہ۔ اب عام طور پر کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کون مومن ہے۔ میں اسی مومن کی بارے میں اس محفل میں پوچھوں تو نہ کوئی کسی کو دعوے سے مومن کہہ سکتا نہ اپنے آپ کو کیونکہ ہمارے مطابق نشانیاں ہی ایسی ہیں جن کا اللہ کو پتہ ہو سکتا یا روزِ قیامت سامنے آئے گا کہ کون مومن ہے۔۔۔

یہ تھا ہمارا تصور مومن کے بارے میں، اب دیکھتے ہیں اللہ اور قرآن کیا کہتا ہے مومن کے بارے میں۔سورۃ نساء کی وہ لمبی آیت دیکھیں جس میں اللہ فرما رہا ہے کہ۔۔۔

ترجمہ:کسی مومن کو کسی مومن کا قتل کر دینا زیب نہیں دیتا مگر غلطی سے۔ اور جس سے قتل ہو جائے مومن غلطی سے تو آزاد کرے ایک غلام

مومن اور خون بہا ادا کیا جائے اسکے گھر والوں کو۔۔۔

یہ لمبی آیت ہے میں پوری نہیں پڑھ رہا مگر آپ دیکھیں کہ مارنے والا بھی مومن ہے اور مرنے والا بھی مومن ہے۔ اور جسکو آزاد کرنا ہے اس کا مومن ہونا بھی ضروری ہے اور اتنا واضح ہے کہ پتہ چل جائے گا واقعہ دیکھتے ہی یا سنتے ہی۔۔۔

قرآن کے مطابق مسلمان اور ہے مومن اور جیسا کہ قرآن خود کہہ رہا ہے 'یہ اعرابی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے، ان سے کہیے ابھی تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم کہو کہ ہم مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی تو ایمان تمھارے دل میں داخل بھی نہیں ہوا' کتنا واضح ہے مسلمان اور مومن کا فرق۔۔۔

ہم تو مومن کی نشانیاں ہی ایسی بتاتے ہیں کہ قیامت سے پہلے پتہ ہی نہیں چلے گا کون مومن ہے مگر اللہ کے نزدیک اتنا واضح ہے کہ فوراً پتہ چل جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم سے مومن کی تعریف کرنے میں بھی کوئی غلطی ہوگئی ہے اس کو ٹھیک کر لینا چاہیے اور وہ تعریف ایسی ہو گی کہ انسان کو جانتے ہی پتہ چل جائے کہ یہ مومن ہے۔۔۔

اس طرح دیکھیں سورۃ نور کے آغاز میں ہی کیا ترجمہ لکھا گیا یہ سن کر تو انسان پریشان ہی ہو جا تا

ترجمہ: زانی صرف نکاح کرے زانیہ یا مشرکہ عورت سے اور زانیہ صرف نکاح کرے زانی یا مشرک سے اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے

اب ان کے ترجمہ اور زنا کے تصور کے مطابق اگر کوئی مرد زنا کر بیٹھے تو وہ شادی بھی کسی زانیہ عورت سے ہی کرے، ایسا مرد کوئی دکھا سکتا ہے مجھے؟ یا کوئی ایسی زانیہ عورت دکھائیں جو زانی مرد سے ہی شادی کرے۔ انسان خود جتنا مرضی برا ہو وہ ہمیشہ اپنا پارٹنر پاک صاف چاہتا ہے۔ پھر زانی اور زانیہ جس سے نکاح کریں وہ مشرک یا مشرکہ ہو یہ تو حد ہی ہوگئی ہے۔ یعنی ان کے مطابق اگر کوئی مرد یا عورت زنا کر بیٹھے تو اس کی شادی کسی مشرک (بت پرست) سے ہونی چاہیے۔ یہ لکھتے وقت ان کی عقل کہاں چلی جاتی ہے اور مجھے حیرانی ہے کہ پڑھنے والے نہ غور سے پڑھتے ہیں نہ کوئی ان کو جا کے پوچھتا ہے کہ یہ کیا لکھا ہے آپنے؟ مگر یقین کریں نہ کوئی پڑھتا ہے نہ کوئی سوچتا ہے نہ کوئی عمل کرتا ہے کیونکہ اس آیت کے ترجمہ کے مطابق اگر ہمارے گھر کی کوئی بچی زنا کر بیٹھے تو اس کی شادی کسی بت پرست سے کی جاسکتی ہے۔اب اگر آپ کو یہ بات بری لگ رہی ہے تو جا کے ان صاحبان کو پکڑیں جنھوں نے یہ ترجمہ اور تصور پیش کیا ہے میں تو آپکو صرف وہ پڑھ کے سُنا رہا جو تمام مکاتبِ فکر نے لکھا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں بول رہا۔۔۔

آگے قرآن میں جگہ جگہ ایک لفظ استعمال ہوا ہے 'اصحاب النار' آپ دیکھ

لیں قرآن میں تقریباً بیس جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے اسی ترتیب سے اور ہر جگہ ہر مولوی نے اسکا ایک ہی ترجمہ لکھا ہے یعنی کتنا یقین ہے ان سب کو اس ترجمہ کے بارے میں اور ہے بھی آسان یعنی 'جہنمی لوگ' 'جہنم والے' 'آگ والے' وغیرہ وغیرہ۔۔۔

مگر یہی لفظ جب سورة مدثر کی آیت 31 میں آتا ہے تو یکایک سب نے اسکا ترجمہ بدل دیا یہاں سب نے ایسے لکھا ہے

وَمَا جَعَلۡنَآ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓٮِٕكَةً
ترجمہ: ہم نے دوزخ کے کارکن فرشتے بنائے ہیں

اب دیکھیں کیا سلوک کیا جا رہا قرآن کے الفاظ کے ساتھ۔ ایک ہی لفظ جو بیس جگہ ایسے ہی موجود اسکا مطلب عذاب والے لوگ ہیں اور جیسے ہی ملائکہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا تو اسکا ترجمہ بدل کر ملائکہ کو ڈیوٹی پر لگا دیا کیونکہ اگر یہاں بھی وہی ترجمہ کر دیتے جو باقی جگہ کیا ہے تو ان کی وہ کہانی جھوٹی پڑجانی تھی جو ان سب نے اپنی عوام کو ملائکہ کے متعلق سُنا رکھی ہے۔ ان کو قرآن کے اصل مطلب تک پہنچنے کی بجائے اپنے اپنے بڑوں کی کہانیاں عزیز ہیں اب آپ بتائیں میں ان کے ترجموں پر روؤں یا ہنسوں"

اب وہ باقاعدہ ہنسے اور کافی ہنسنے کے بعد بولے

"واہ یار! آتے رہا کرو تاکہ ہم بھی کسی اور انداز سے چیزوں کو سوچنے اور دیکھنے کی عادت ڈالیں۔ہم پر تو پڑھائی کے دوران اِتنا انبار لاد دِیا جاتا کہ اس طرح کے اشاروں پر غور کرنے کا وقت بھی نہیں ملتا اور عادت بھی نہیں رہتی"

یہ پہلا اور آخری انسان تھا جِس کو میں اپنی اِس تلاش کے دوران مِلا ہوں اور اُس نے کسی سوچ کو روکنے یا غلط قرار دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ افزائی کی تاکہ اور لوگ بھی مختلف انداز سے سوچیں اور اپنے شاگردوں کے سامنے یہ سب کچھ کہنے کے لئے آپکو واقعی ایک بہت بڑا انسان بننا پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں نا کہ بڑا انسان وہ ہوتا ہے جسکو دوسرا انسان یا چیز چھوٹی نظر نہیں آتی۔

اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں میں نے تو چند لکھے تا کہ آپ کو میری تلاش کا اندازہ ہو سکے۔ بہت عرصہ تک میری یہ تلاش بغیر منزل کے جاری رہی۔ غلط راستے سے زیادہ خطرناک وہ یقین ہوتا ہے جو ہمیں غلط راستے پر آنکھیں بند کر کے چلاتا ہے اور میں اسی غلط راستے سے بچنا چاہتا تھا

ہم دعاؤں میں عام طور پر اپنے رب سے رب کے علاوہ سب کچھ مانگتے ہیں۔ ایک رات میں نے اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ تُو تو میرے دل کا حال جانتا ہے مجھے کسی مسلک، مولوی، مفتی یا پیر صاحب کو سچا جھوٹا ثابت نہیں کرنا مجھے صرف اپنے لئے ہدایت چاہیے وہی ہدایت جسکو تو نے صراطِ مُستقیم

لکھا ہے جو تیرے انعام یافتہ لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ جس کے بعد کوئی Confusion باقی نہ رہے صرف سکون ہو اور ٹھہراؤ۔ تو نے اپنے سب سے معزز نبیﷺ پر قرآن اُتارا جنھوں نے اپنے اقرباء اور اصحاب کو پڑھایا سکھایا اور سمجھایا۔ میری ایک خواہش کہ میں بھی انھی سے سیکھوں جنھوں نے تیرے معزز رسول ﷺ سے سیکھا ہے چاہے خواب کے ذریعے ہو یا حقیقت یہ میں نہیں جانتا مگر تُو تو مسبّب الاسباب ہے ہر شے پر قادر ہے۔ اگر میری یہ خواہش جائز ہے تو اس کو پورا کر دے اگر جائز نہیں ہے تو مجھے اس پر مطمئن کر دے اور میری ہدایت کا کوئی اور بندوبست فرما دے۔

رات اہتمام سے سویا اور خواب میں دیکھا کہ میں ایک کافی شاپ میں بیٹھا ہوں جہاں ایک انجان شخص آتا ہے ارد گرد نگاہ دوڑاتا ہے مجھے دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کرتا اور قریب آکر سوالیہ انداز میں میرا نام لیتا۔ میں سمجھا یہ کوئی ہستی ہیں جنکو اللہ نے میری رہنمائی کے لئے بھیجا ہے مگر وہ نوجوان ہے اور چہرے اور عمر سے کوئی ویسا نہیں لگ رہا جیسا میں توقع کر رہا تھا۔ اس نے سلام کیا ہاتھ ملایا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جو وہ مجھے پکڑاتا اور سلام کر کے روانہ ہو جاتا ہے۔میں نے جلدی سے وہ کاغذ کھولا جس پر تعوذ اور بسم اللہ کے بعد ایک آیت ہے جسکو میں پڑھتا ہوں آگے لکھا تھا کہ ایک صحابیؓ کو میری رہنمائی کے لئے بھیجا جا رہا ہے اِن آداب کا خصوصی خیال کرنا ہے۔ میں جلدی جلدی وہ آداب پڑھتا اور یاد کرتا ہوں تاکہ مجھے بھولیں نا اور اِتنے میں میری آنکھ کھل جاتی اور یہ نصف

شب کا وقت ہے۔ میں نے دوبارہ وہ آیت اور آداب دہرائے جو خواب میں دیکھے تھے اور آنکھ ایسی بند ہوئی کہ ساری آنکھیں کھل گئیں۔۔۔

کافی شاپ پر بیٹھے بیٹھے میرے موبائل پر ایک دوست کی کال آئی جو ایک گاڑی خریدنے گیا ہوا تھا وقت کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ میں فون نہ اٹھاؤں مگر اُس نے مشورہ کرنا تھا مجھ سے سو میں نے ان سے معذرت چاہتے ہوئے انداز میں فون اٹھایا۔ اسے ایک گاڑی مارکیٹ ریٹ سے 2 لاکھ روپے سستی مل رہی تھی بیچنے والے کو ایمر جنسی تھی اس لئے سستی مل گئی میں نے ایک منٹ کے اندر اندر دو چار باتیں کر کے کال ختم کی۔ تب ہی انھوں نے کافی کا سِپ لیکر کپ میز پر رکھا اور مجھے پوچھا:

"بیٹا تمھیں پتہ ہے چیزیں اچانک سے منڈی کی قیمت سے کم پر کیوں مل جاتی ہیں اِس کی صرف دو وجوہات ہوتی ہیں۔ یا تو بیچنے والے کی کوئی مجبوری ہوتی ہے یا کم علمی۔ دونوں صورتوں میں مجبوری ہو یا کم علمی، اسکا فائدہ اُٹھانا جائز نہیں ہے۔ کسی کی مجبوری کی صورت میں ہم بے حسی دکھاتے اور کم علمی کی صورت میں دھوکہ۔ دونوں جائز نہیں ہیں"

"مگر یہ تو وہ اپنی مرضی سے بیچ رہا ہم نے اسے مجبور نہیں کیا میں نے جواز پیش کیا"

"جب تمھیں پتہ کہ یہ چیز اِتنے کی نہیں ملتی تو یقیناً اگلے بندے کو اس کی

قیمت کا علم نہیں ہے اور اگر علم ہے تو پھر کوئی بڑی مجبوری ہے'' انھوں نے واضح کیا

میں پھر سوچ میں پڑ گیا۔ ہمارے تو ایسے سودے کو بڑے شوق سے کیا جاتا جس میں چیز مارکیٹ سے سستی مل رہی ہو ہم نے تو کبھی سوچا ہی نہیں کوئی کتنا مجبور ہو سکتا ہے اِس کے پیچھے اور کسی کی مجبوری کا فائدا اُٹھانا کتنی بُری بات ہے۔ وہ پھر بولے :

''ہمارے ایک بھائی کو ایک دفعہ ایک گھوڑا خریدنا تھا۔ عام طور پر ایک اچھی نسل کا جوان گھوڑا تین ہزار کا مل جاتا تھا۔ وہ بازار گئے تو اُن کو اپنی پسند کا گھوڑا نظر آگیا اُنھوں نے قیمت پوچھی تو مانگنے والے نے دو ہزار قیمت مانگی وہ بہت حیران ہوئے انھوں نے خود اُس شخص سے پوچھا کہ یہ تین ہزار کا گھوڑا دو ہزار میں کیوں بیچ رہے ہو تو اس نے اپنی کسی نہایت مجبوری کا ذکر کیا۔ انھوں نے وہ گھوڑا اُس شخص سے تین ہزار میں خرید لِیا۔بیٹا تقویٰ اِسی چیز کا نام ہے۔ احساس ہی تقویٰ ہے۔تم ایسا تقویٰ اختیار کرتے جاؤ میرے نبی ﷺ کا وعدہ ہے تم عالم بن جاؤ گے تمھیں قرآن خود ہدایت دے گا اُس کی آیات کھل جائیں گی خود بخود ورنہ بے حسی ہمارے دلوں پر ایسا غبار ڈال دیتی ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی قرآن کے مطلب سے آشنا نہیں ہو پاتے۔ دین تو رہ جاتا ہے دینداری ختم ہو جاتی ہے'' انھوں نے سب واضح کر دِیا۔

ایک عجیب سی بات تھی اُن کی آواز میں، وہ بول رہے ہوتے تو لگتا بول نہیں رہے اُن کے الفاظ کیلوں کی طرح دل کی دیواروں میں پیوست ہو رہے۔ جیسے کھدائی کر کے لکھائی کی جاتی یا جس کو Embossed کہا جاتا ہے۔ وہ اِتنی آہستہ بول رہے تھے کہ صرف مجھے ہی ان کی آواز آرہی تھی مگر پھر آواز میں ایسے دھمک تھی جو دل کو دھڑکا دیتی تھی۔میں نے بہت مولویوں، مقتیوں اور پیروں کی تقریریں سُنی تھیں مگر اتنا سادہ، واضح اور پُر یقین بیان نہیں سُنا تھا اور ہو بھی کیسے سکتا تھا۔

میں نے پوچھا

"حضرت! قرآن میں جو صلٰوۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ کیا چیز ہے اور سب جگہ اسکو قائم کرنے کا حکم ہے نہ کہ پڑھنے کا؟"

وہ خوش ہو کر بولے جیسے اِس سوال کے مُنتظر ہوں۔ وہ بولے

"صلٰوۃ کی روح یہی ہے کہ اسکو قائم کیا جائے۔قرآن نے سو سے زیادہ مرتبہ جس صلٰوۃ کا ذکر فرمایا ہے اسکو ہمیشہ قائم کرنے کو کہا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ اسکا کام معاشرے میں فحاشی اور بے حیائی کو روکنا ہے یعنی یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی ایسے عمل کرنے کی جرات نہ کرسکے جن کو فحاشی یا برائی کہا جا سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے اسکو قائم کرنے

والوں کے لئے شرائط بھی رکھی ہیں جیسا کہ میں اپنے الفاظ میں قرآن کی کچھ آیتیں بیان کرتا ہوں۔۔۔

جب حکومت دی جائے گی تو صلاۃ قائم ہوگی (سورۃ حج آیت 41)
صلاۃ قائم کرنے والے راسخ العلم لوگ ہونگے (سورۃ نساء آیت 162)
وہ صرف اللہ سے ڈرنے والے ہونگے (سورۃ توبہ آیت 18)
صلاۃ فحاشی اور بے حیائی کو روک دے گی (سورۃ عنکبوت آیت 45)
پرندوں کی صلاۃ دیکھی جا سکتی ہے (سورۃ نور آیت 41)
صلاۃ قائم کرنے والے باہم مشوروں سے چلتے ہیں (سورۃ الشوریٰ 38)

اب ان سب نشانیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا کہ اللہ کس کو صلاۃ کہہ رہا ہے پھر دیکھو کیسے سورۃ نساء میں صلاۃ کو اللہ کی یاد سے الگ کر دیا گیا ہے

پھر جب تم صلاۃ قائم کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور جب اطمینان نصیب ہو جائے پھر صلاۃ قائم کرو (النساء 104)

یہ بہت لمبا موضوع ہے کیونکہ اس پر دو سو سے زائد آیات ہیں۔میں نے صرف اشارتاً قرآن کی کچھ آیات پیش کی ہیں تاکہ تم خود غور کرو باقی

آیات پر اور اسی طرح تدبر اور تفکر والے حکم پر بھی عمل ہوتا رہتا ہے اگر اللہ نے چاہا تو کبھی اس پر مکمل بات بھی ہو گی“

انھوں نے کافی کا کپ میز سے اُٹھاتے ہوئے فرمایا

”عام طور پر جاننا چاہو اور آج کے دور کے مطابق تو دو نمازوں کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے وہی اصل میں صلاۃ قائم کرنے کا وقت ہوتا ہے۔۔۔

قرآن میں ارشاد ہے بے شک نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔ تو جو بے حیائی اور بُری باتوں سے روک لے وہی صلاۃ ہے اور نہیں روک پا رہی تو یاد رکھو کہ باطن کی اصلاح کیے بغیر ظاہر کی اصلاح بذاتِ خود ایک درجہءِ منافقت ہے“

پہلی دفعہ اتنا واضح سمجھ آیا کہ قرآن میں نماز پڑھنے کے بجائے ہمیشہ نماز قائم کرنے کا حکم کیوں آیا ہے۔ اللہ ہم سے صرف وہ چند رکعتیں نہیں مانگ رہا وہ تو ہم سے اُس کی تاثیر مانگ رہا جو دو نمازوں کے درمیانی وقفوں میں ہمارے کردار میں اور معاشرہ میں نظام کی شکل میں قائم ہوتی نظر آئے

جہاں صحابیؓ کی بات سُن کر خوشی تھی کہ ایک معمہ حل ہو گیا وہاں دُکھ

بھی ہو رہا تھا کہ ہمارے ہاں تو نماز قائم کرنے کا مطلب بھی پانچ وقت کی پڑھنا یا جماعت کے ساتھ پڑھنا یا ہمیشہ پڑھنا نکالا گیا ہے۔ اس صلاۃ کا ذکر میں نے پہلی دفعہ سُنا جو دو نمازوں کے بیچ میں ادا ہوتی ہے۔مزید غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ اصل میں تو پوری زندگی وہی ہے جو دو نمازوں کے بیچ کے وقفے ہیں اور ہم میں سے ویسے بھی کم لوگ ہی صِرف نماز پڑھتے ہیں، قائم کرنے والے کو تو ابھی ڈھونڈنا تھا میں نے۔

"حضرت یہ فرمائیں کہ قرآن اور کتاب میں کوئی فرق ہے؟ اور ہے تو کیا فرق ہے؟"

انھوں نے فرمایا

"بالکل واضح فرق ہے بیٹا، کتاب اللہ کی ذاتی معلومات ہیں جو اسنے لوحِ محفوظ میں سنبھال رکھی ہیں جِس میں اُس نے آغاز سے لیکر ہمیشہ تک کے سب نام، چیزیں اور واقعات لکھ چھوڑے ہیں اور یہ جو قرآن، انجیل یا تورات ہیں یہ بھی اُسی کتاب میں مذکور ہیں مگر یہ بذاتِ خود مکمل کتاب نہیں ہیں۔ قرآن میں خود اِس کے متعلق ذکر آیا ہے جیسا کہ

(انھوں نے سورتہ یونس آیت 37 پڑھی۔۔۔)

ترجمہ: اور یہ قرآن وہ نہیں جسے اللہ کے سوا کوئی خود سے بنا لے مگر تصدیق

کرنے والا ہے اُسکی جو پہلے اُترا اور تفصیل ہے کتاب کی جس میں کوئی عیب نہیں ہے رب العٰلمین کی طرف سے

کتنا واضح فرمایا اللہ نے کہ یہ قرآن تفصیل بیان کر رہا ہے کتاب کی۔ یعنی کتاب میں جو اللہ نے لکھا ہوا یہ اُسی کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے اُتارا گیا ہے۔۔۔

سورتہ الحجر کا آغاز دیکھو (انھوں سورتہ الحجر کی پہلی آیت پڑھی، سورتہ نمل کی بھی پہلی آیت یہی ہے)۔۔۔

ترجمہ: وہ آیات ہیں کتاب کی اور روشن قرآن کی

اِس سے زیادہ واضح اور کیسے بتایا جائے کہ آیات جو ہیں وہ کتاب اور قرآن کی نشانیاں ہیں اگر یہ ایک ہی چیز ہوتے تو درمیان میں اور کیوں لگایا جاتا یا دونوں کا ذکر ہی نہ کیا جاتا، لکھا جاتا کہ نشانیاں ہیں قرآن کی مگر اللہ نے کتنا واضح کر دیا ہے کہ یہ نشانیاں دونوں کی ہیں یعنی کتاب اور قرآن کی۔۔۔

پھر اللہ نے جب مریمؑ سے کہا کہ ہم تم کو بیٹا دیں گے تو اس کے بارے میں قرآن میں فرمایا (انھوں نے سورۃ آل عمران کی آیت 48 پڑھی)

ترجمہ: اُس کو کتاب کا علم دیں گے اور حکمت اور تورات اور انجیل

اب یہاں اللہ تعالیٰ جنابِ عیسیٰ ؑ کو چار چیزیں دینے کا ارداہ فرما رہے ہیں کتاب، حکمت، تورات اور انجیل۔ اگر تورات اور انجیل ہی کتاب ہوتیں تو اللہ کبھی چار چیزیں دینے کا وعدہ نہ فرماتا اگر اللہ نے چار چیزیں دینے کا لکھا ہے تو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ چار مختلف چیزیں دے گا اور یقیناً دی ہیں۔۔۔

اور اِس آیت پر آکر وہ تمام لوگ پھنس جاتے ہیں جو قرآن کو ہی کتاب سمجھتے ہیں (انھوں نے سورۃ انعام آیت 59 پڑھی)

ترجمہ: نہ کوئی تر ایسا ہے نہ کوئی خشک جو اِس کتابِ مبین میں لکھا ہوا نہیں ہے

یعنی کائنات کی ہر چیز اِس کتاب میں لکھی ہوئی ہے اللہ نے یہاں قرآن کا نہیں لکھا اگر لکھ دیتا تو ایمان نہ لانے والے اعتراض کرتے کہ فلاں چیز کا ذکر دکھائیں کہ قرآن میں کہاں پر ہے''

میں جب تک مولویوں کے پڑھائے ہوئے قرآن کو سُنتا رہا مجھے یہ دونوں ایک ہی چیز لگتے تھے مگر جب اللہ نے مجھے خود سے پڑھنے کی توفیق دی تو کچھ کچھ سمجھ آئی کہ اِن میں فرق ہے۔ بہت لوگوں کو پوچھا مگر زیادہ لوگ تو اِن کو ایک ہی چیز مانتے اور جو نہیں بھی مانتے وہ واضح نہیں کر پائے۔

میں نے شکر ادا کیا کہ اللہ نے خود ہی میری توجہ ٹھیک چیزوں کی طرف مبذول کی اور پھر خود ہی تشنگی مِٹانے کا بندوبست فرمایا۔

"یہ فرمائیں کہ قرات اور تلاوت میں کیا فرق ہے؟"

جواب میں وہی دِلکش مُسکراہٹ، روح پرور بیان کا انداز

"عام طور پر اِن دونوں کو ایک ہی چیز سمجھا جاتا مگر قرآن میں ہر لفظ کسی نہ کسی مقصد کے تحت استعمال ہوا ہے۔بیٹا عربی زبان کی خوبصورتی یہی ہے کہ اِس میں ہر ہر چیز کے لئے الگ الگ الفاظ موجود ہیں اِس لئے اگر اللہ نے کوئی بھی لفظ کہیں بھی بدل کر استعمال کیا ہے تو اُس کا ایک خاص معنی و مقصد ہے۔۔۔

قرات کا مطلب وہ پڑھنا ہے جس میں انسان زبان کو پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے پڑھتا ہے جیسے کوئی بھی زبان آپ تب ہی پڑھ سکتے ہیں اگر آپ اسکو پڑھنے کے بنیادی اصولوں سے واقف ہیں جیسا کہ اسکے ہجے، الفا ظ، جملے، صرف ونحو اور تجوید وغیرہ۔ اس سب کو قرات کہا جاتا ہے۔ اب جب انسان کوئی زبان پڑھنا سیکھ جائے تو اس زبان کی ساری کتابیں پڑھ سکتا ہے۔ اگر معنی سمجھے یا غور کئے بغیر پڑھتے جاؤ تو یہ قرات ہے اسی لئے عموماً قاری اسی شخص کو کہا جاتا ہے جو قرآن کی عربی زبان کو پڑھنے کا فن جانتا ہو

اب آتے ہیں تلاوت کی طرف جس کا مطلب ہے قرآن کو عمل کرنے کی خاطر پڑھنا۔ جو لوگ قرآن کو اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ اِس کو سمجھا جائے اور اِس پر عمل کیا جائے وہ تلاوتِ قرآن کر رہے ہوتے ہیں اور یہ بہت بڑا مقام ہے صرف قرات کے مقابلے میں۔ کتنی عجیب بات ہے پوری امت میں قاری کا لفظ تو مقبول ہو گیا جو صرف پڑھنا جانتا ہے مگر تلاوی کوئی لفظ نہیں بن سکا جو عمل کرنے کے لئے پڑھنا جانتا ہو یا جاننے کا شوق ہی رکھتا ہو۔۔۔

تلا وت ہی اصل ہدایت کا ذریعہ بنتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن میں قرات کا ذکر کم تعداد میں ہے اور تلاوت کا ذکر زیادہ بار آیا ہے۔۔۔

قرات صرف قرات ہوتی ہے جبکہ تلاوت میں قرات بھی شامل ہے اور ہدایت بھی۔ اِسی لئے اللہ نے صحیح تلاوت کرنا مومن کی نشانی قرار دِیا ہے"

"یہ فرمائیں کہ غیب کیا ہے"

انھوں نے کپ خالی کرنے کے بعد میز پر رکھا اور گویا ہوئے

"ہر وہ چیز جس میں اور ہمارے درمیان کوئی پردہ ہو وہ غیب کہلاتی ہے۔ جس غیب کی تم بات کر رہے وہ یقینا قرآن کا لفظِ غیب ہے جسے اللہ نے بارہا

استعمال کیا ہے۔۔۔

اس کو سمجھنے کے لئے انسانی عقل کو سمجھنا ضروری ہے۔ انسانی عقل صرف حواسِ خمسہ (سونگھنے، دیکھنے، چکھنے، چھونے اور سُننے) کے ذریعے تجربات و مشاہدات سے سیکھنے کا فن جانتی ہے۔ اب چونکہ یہ سب ذریعے محدود ہیں اس لئے اِن سے حاصل کیا ہوا علم، خیالات اور یاداشت (Memory) بھی محدود ہے۔اگرچہ عقل کچھ صورتوں میں اپنی حدود سے تجاوز کر سکتی ہے مگر جب ہم عام انسان اور عقل کی بات کریں گے تو پھر اس انتہائی محدود تعداد والی عقل کا ذکر کرنا مناسب نہیں سو ہماری عقل انھی چیزوں یا تصورات کو تسلیم کرتی ہے جو ہماری یادداشت، خیالات یا علم کے تجربات میں آئے ہوں اگر نہ آئے ہوں تو عقل اُس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اب چونکہ اللہ نے قرآن میں خود اپنے بارے میں فرمایا کہ میری کوئی مثل نہیں یعنی اُس جیسا کچھ ہے نہیں تو انسان اپنی عقل سے یا میموری سے اُسے کسی بھی چیز سے تشبیہ نہیں دے پاتا اور یہی اللہ کی ذات کو نہ ماننے والوں کی اصل وجہ بھی ہے۔ اسی محدود عقل اور علم کی وجہ سے اللہ نے خود اپنی ذات کو اور بہت سی چیزوں کو غیب کہا ہے اور اِس پر ایمان لانے کو کہا ہے۔ اللہ پر ایمان غیب پر ایمان ہے کیونکہ نہ ظاہری عقل پر دیکھا جا سکتا ہے نہ تجربہ کیا جا سکتا نہ پرکھا جا سکتا۔ ایسا ہی حال آسمانی کتابوں، فرشتوں، جنت، دوزخ اور یومِ قیامت پر ایمان بھی ہے۔۔۔

غیب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے اللہ نے غیب قرار دیا ہے اور دوسرا وہ جسے عقل ابھی تک تلاش نہیں کر پائی۔۔۔

قرآن بھی غیب کی خبر تھی، ہم تک پہنچا ہے تو اس کو ماننا غیب پر ایمان ہے کہ یہ کسی انسان کا لکھا ہوا نہیں ہے مگر یہ اللہ نے ہمارے لئے نازل کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اِس کو سمجھ لینا انسانی عقل کی انتہا ہے۔ یہ واحد غیبی شے ہے جسے اللہ نے اِتنا واضح انسانوں کے سامنے ظاہر کر دیا ہے اور قیامت تک ہمارے بیچ موجود ہے اگر کوئی سمجھ کر نصیحت حاصل کرنا چاہے۔۔۔

اسی لئے ایمان کا درجہ سب سے بڑا رکھا ہے کیونکہ اس میں ہم اپنی عقل کو پابند کرتے ہیں کہ وہ اللہ، نبیوں، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور روزِ آخرت کو مان لے جن کو ظاہری طور پر عقل تجربات و مشاہدات کے ذریعے مان نہیں پا رہی۔۔۔

وحی، وجدان یا الہام دوسرا ذریعہ ہے غیب کو سمجھنے کا۔ وجدان بھی عقل کا ہی ایک اور سب سے اعلیٰ ترین مقام ہے۔ وجدان غیب کو پا کر عقل کے نچلے درجات میں منتقل کرتا رہتا ہے تاکہ عقل جسکو حسی عوامل سے ڈھونڈ یا ثابت نہیں کر پا رہی اسے وجدان کے ذریعے حاصل کرے اور عقائد کو عقلی پیمانوں پر رکھ کر قوی ایمان حاصل کر سکے۔۔۔

انھوں نے ایک لمحے کا توقف کیا اور پھر بولے

میرا خیال ہے میں نے ذرا مشکل باتیں شروع کر دی ہیں بس وحی اور عقل کے طریقہ کار میں فرق سمجھنے کے لئے آسان مثال یہ ہے کہ ایک ہی وحی سے تمام قرآنی علوم ایک ہی لمحے میں حاصل ہو سکتے ہیں مگر عقل قرآن کو لفظ لفظ، سورۃ سورۃ اور پارہ پارہ کر کے سمجھے گی۔۔۔

ہم عربوں کی ایک مشہور حکایت تھی کہ ایک دفعہ ایک عربی دانا شخص ہوا کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے زندگی میں کبھی کوئی لاجواب نہیں کر سکا تھا مگر وہ ایک دفعہ ایک غلام باندی کے ہاتھوں لاجواب ہو گیا۔ اس نے ایک باندی کو دیکھا جو تھال اُٹھا کر لے جا رہی تھی اور اس تھال کو ایک کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ اُس نے باندی سے پوچھا تھال میں کیا چیز ہے؟

تو باندی نے جواب دیا

اگر یہ بتانا ہی ہوتا کہ تھال میں کیا چیز ہے تو پھر اس کو ڈھانپنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

اس شخص کا کہنا تھا کہ وہ لاجواب ہو گیا وہ بھی ایک ان پڑھ باندی کے

ہاتھوں۔ اُس کا کہنا تھا کہ اُس دن دو باتیں سیکھیں

ایک یہ کہ جس کو اللہ نے ڈھانپ کر رکھا ہے اسے بغیر حکم کے بے پردہ نہ کرو چاہے وہ کسی کے عیب ہوں، عورت ہو یا غیب

اور دوسرا یہ کہ کبھی اپنی دانا ہونے کا گمان بھی نہ کرنا ورنہ اللہ تمھیں ایک ان پڑھ کے آگے بھی بے بس کر سکتا ہے"

"حضرت یہ فرمائیں کہ اللہ کے بارے میں سب سے اہم بات کیا ہے جو ہر وقت ذہن نشین ہونی چاہیے؟"

وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئے

"سب سے اہم یہ ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے جب تک اُس کے رحمٰن و رحیم ہونے کا یقین باقی رہتا ہے انسان بھٹک بھی جائے تو توبہ کر کے واپس آجاتا ہے اور شیطان کا سب سے بڑا حملہ یہی ہوتا ہے کہ وہ انسان پر اللہ کی رحمت کے بارے میں مایوسی قائم کر دے ایسا انسان پھر توبہ کی طرف پلٹ کر نہیں آتا۔۔۔

رحمٰن اُس رحم کرنے والے کو کہتے ہیں جو خوبی دیکھے بغیر رحم کرتا ہے۔

جو لوگوں پر مہربانی فرماتے وقت ان کی خوبیاں نہیں دیکھتا اِس کی سادہ مثال یہ ہے کہ اللہ ایمان والوں کو بھی نعمتیں دیتا تو نہ ماننے والوں، کافروں اور مشرکوں کو بھی نعمتیں دیتا ہے۔ صحت، زندگی، اولاد، رزق وغیرہ وہ نعمتیں ہیں جو ایمان والوں اور مشرکوں دونوں کے حصے میں آتی کیونکہ اللہ جب رحمٰن ہوتا ہے تو خوبی دیکھے بغیر عطا کرتا ہے۔ جو اللہ اپنے محبوب نبی ﷺ کو یہ نعمتیں دیتا ہے تو ابو سفیان اور ابو لہب جیسے جانی دشمنوں کو بھی دیتا ہے۔ رحمٰن وہ ہے جو موسیٰ کو بھی کھلاتا ہے اور فرعون کو بھی۔۔۔

رحیم اُس مہربان کو کہتے ہیں جو خوبی دیکھ کر مہربانی کرتا ہے۔ جیسا کہ قیامت کے بارے لکھا گیا ہے کہ اُس دن اللہ صرف انھیں پر مہربان ہوگا جو اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل پیرا رہے یا کوشش میں رہے۔ آخرت میں رحیم موسیٰ اور فرعون دونوں پر مہربان نہیں ہوگا کیونکہ یہی اُس کا وعدہ ہے۔۔۔

اگر ہمیں دنیا میں اُس کی رحمانیت پر اور آخرت میں اُس کی رحیمی پر یقین رہے تو کبھی مایوسی پیدا ہو ہی نہیں سکتی اور شیطان اپنے اس حربے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اور جب تک انسان کو امید رہتی ہے اُس کی توبہ کا راستہ کھلا رہتا ہے تو بیٹا زندگی میں کچھ بھی غلط یا بُرا ہو جائے، ہمیشہ اُس کی رحمانی و رحیمی پر یقین رکھنا۔۔۔

ویسے بھی رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے عرش پر لکھا ہوا کہ میری رحمت میرے غصے پر ہاوی ہے اِس سے خوبصورت گمان اللہ کے بارے میں ہو ہی نہیں سکتا اور اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ جو مجھ سے جیسا گمان رکھتا ہے میں اُس کو ویسے ہی ملتا ہوں"

میں اُن کی تمام گفتگو اور سوالوں کے جواب سُن کر چاہتے ہوئے بھی واہ واہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ اس ادب کی فہرست میں شامل تھا جو مجھے دی گئی تھی۔ ہمارے ہاں تو سبحان اللہ کے نعرے لگتے ہیں بلکہ اکثر تو مولوی حضرات زبردستی لگواتے اور جو نہ لگائے وہ فلاں ہوگا۔

انھوں نے خود ہی گفتگو آگے بڑھائی

"غور کیا جائے تو کتنی عجیب بات ہے کہ سب نعمتیں اللہ ہی عطا کرتا ہے رزق اور دولت بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ وہ ساری دولت عطا کر کے قرآن میں فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے۔

خود ہی ساری دولت اور نعمتیں دے کر پھر اُس میں سے تھوڑا سا مطالبہ کرتا ہے وہ بھی قرض کی شکل میں کیونکہ قرض واپس آتا ہے۔ اس سے زیادہ مہربانی کیا ہو سکتی ہے کہ خود ہی 100 سکے عطا کرتا ہے پھر اُس میں سے دو چار واپس مانگتا ہے قرض کی شکل میں۔ واپس بھی کس شکل میں مانگتا

ہے کہ میرے بندوں پر خرچ کر دو بس۔ جب واپس مانگتا ہے تو حکم نہیں کرتا صرف پیار سے کہتا کہ کوئی ہے مجھے قرض دینے والا اور ساتھ ہی وعدہ کرتا ہے کم سے کم سات گنا کر کے واپس کرنے والا ہوں۔ یہ انتہا ہے کرم اور فضل کی اور یہ صرف ہمارے رب کے ہی شایانِ شان ہے۔ سمجھ نہیں آتی کیسے شکر ادا کیا جائے اُس کی رحمتوں کا"

آخری جملہ بولتے وقت انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا اور مجھے لگا ان کی آنکھوں میں جیسے آنسو آگئے ہوں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں بھی بھیگ گئیں کیونکہ میں نے کبھی اِتنی گہرائی سے اللہ کی مہربانیوں پر غور نہیں کیا تھا اور نہ ہی ایسے شکرانہ ادا کیا تھا۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ میں آپ سے کسی بھی ہستی کا نام لے کر نہیں پوچھ سکتا مگر میں اتنا ضرور جاننا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے بھی بہت سے لوگ دنیا سے چلے گئے اور ایمان نہیں لائے پھر کچھ لانے والے ایسے ہیں جو ظاہری تو لے آئے اور اندر سے منافق ہیں قرآن اُنکا بار بار ذکر کر رہا ہے کئی لوگ انکی زندگی میں بھی انکے حکم کو نہیں مانتے جیسا کہ جنگ کے موقع پر منع کرنے کے باوجود کچھ نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ کیوں ایسا ہوتا لوگ ایک رسول کو سامنے دیکھ کر بھی انکو نہیں مانتے یا دل سے نہیں مانتے یا کیسے لوگ اتنی جلد ان تعلیمات کو بھول گئے کیا واقعات لکھنے والوں سے کوئی غلطی ہوئی یا واقعی غلطیاں ہوتی رہیں؟"

انھوں نے پھر وہی محبت بھری مسکراہٹ دی اور مفصّل ارشاد فرمایا

انسان اپنی ساخت میں بہت سے محسوسات (Emotions) کا مجموعہ ہے جیسا کہ محبت، نفرت، عقیدت، بغض، حسد، طاقت، بدلہ اور طاقت وغیرہ۔ ان محسوسات (Emotions) میں کچھ بادشاہ کہلاتے ہیں، کچھ وزیر کہلاتے ہیں، کچھ دوست ہیں آپس میں کچھ پسند نہیں کرتے ایک دوسرے کو اور کچھ غلام محسوسات (Emotions) بھی ہوتے ہیں جن کا کام صرف باقی محسوسات (Emotions) کے حکم پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ایک پوری کائنات انسان کے اندر آباد ہوتی ہے جس میں بادشاہ ملکہ، وزیر، ہرکارے، رشتہ دار، دشمن اور غلام ہر طرح کے محسوسات (Emotions) ہیں۔ مزید یہ کہ ہر دور کے کچھ محسوسات بادشاہ ہوتے اور کچھ غلام اور اسی طرح ہر انسان کے اندر بھی بادشاہ محسوسات (Emotions) الگ ہوسکتے ہیں اور غلام الگ۔ ہر انسان کے اندر جب اس کا بادشاہ حکم جاری کر دے تو باقی وزیر اور غلام اس پر چُپ کر کے عمل کرتے ہیں کیونکہ بادشاہ کے آگے نہ نہیں کی جا سکتی۔۔۔

اس کی ایک آسان مثال ہابیل اور قابیل ہیں۔ واقعہ تو سادہ ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی کو پسند کی شادی کی خاطر قتل کر دیا مگر محسوسات کی دنیا میں جا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے ایک انسان جو اپنے بھائی سے بہت محبت کرتا ہے، ایک ہی گھر میں رہنے والے، ایک ہی ماں باپ کی اولاد، ایک

ہی جگہ سے کھانے والے کیسے جان سے مارنے کا سوچ سکتے اوراس پر عمل بھی کر جاتے۔غور کرو جب شادی کا وقت آیا تو قابیل کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ اُس سے شادی کرے جس سے ہابیل کی شادی ہونے جا رہی تھی۔ اب یہ پسند کا جذبہ (Emotions) اس کے نظام میں بادشاہ بن کر بیٹھ گیا اور اُس بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ ہابیل کو راستے سے ہٹا دو۔ اب باقی سارے جذبے (Emotions) بادشاہ کے سامنے بے بس ہو گئے اور ان کو قتل کرنا پڑا۔۔۔

محسوسات (Emotions) کی دنیا میں بھی کئی دفعہ بادشاہ کے کچھ وزیر اُس کے آگے اپنے اپنے تجربات کو پیش کر کے بادشاہ کو روکنے یا اُس کا خیال بدلنے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت کم دفعہ ایسا ہوتا کہ وہ کامیاب ہوں۔ قابیل کے بادشاہ جذبے (Emotions)نے بھی جب یہ ارادہ ظاہر کیا ہوگا تو اس کے وزیر جذبوں (Emotions) یعنی بھائی چارہ، ہمدردی، اصول، برداشت اور صبر نے پوری کوشش کی ہوگی بادشاہ کو قائل کرنے کی مگر بادشاہ نہیں مانا اور عمل درآمد کا حکم جاری کر دیا اور یوں یہ قتل ہو گیا۔۔۔

تمام منفی جذبے انسان کے نفس کی سلطنت میں رہتے ہیں اور تمام مثبت جذبے انسان کے قلب یا ضمیر کی دنیا کے رہائشی ہوتے۔ سب سے پہلے بادشاہت کی لڑائی ہوتی اور ان دونوں گروہوں میں ایک گروہ کا کوئی جذبہ

انسان کی جذباتی دنیا کا بادشاہ بن جاتا تو اس انسان کے زیادہ تر فیصلے اسی دنیا کے حق میں ہوتے رہتے اور ان گروہوں کے درمیان ہمیشہ کی اس اختلافی جنگ کو انسان کا اصل امتحان کہا جاتا ہے۔۔۔

اللہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ یہ بھی کرم نوازی کرتا کہ ان کے جذبوں کا بادشاہ ان کے قلب کی دنیا سے بنا کر بھیجتا۔ ان کے اندر جذبوں کی اس لڑائی میں جب کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا تو بادشاہ اپنا حکم جاری کر دیتا اور ہمیشہ خیر کا فیصلہ ہو جاتا۔ انبیاء، صالحین اور متقین اور مخلصین اسی کی مثالیں ہیں جو قرآن میں بارہا آئی ہیں جیسا کہ سورۃ ص میں ارشاد ہے جب شیطان نے کہا کہ میں تیرے بندوں کو قیامت تک گمراہ کرتا رہوں گا تو اللہ نے جواب دیا کہ تو میرے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکے گا۔ یعنی ان بندوں کے اندر اللہ نے جذبوں کی بادشاہی 'خلوص' کو دے رکھی ہے اور خلوص جو خالص سے نکلا ہے جب بھی کوئی فیصلہ کرے گا وہ اخلاص پر مبنی ہوگا پھر ان لوگوں کے جذبوں کے وزراء بھی اکثریت میں قلب کی اساس سے ہوتے اسلئے ان کے اندر ہونے والی اس جنگ میں شر کی فتح ناممکنات کی طرف گامزن رہتی اس لئے یہ کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔۔۔

شیطان بھی اسی طریقہ واردات کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتا اور ہمیشہ انسانوں کے اندر اپنا بادشاہ یعنی نفس کی دنیا سے بادشاہ بٹھانے کی کوشش

میں لگا رہتا اور جب کسی بھی انسان میں وہ اپنا بادشاہ بنا لیتا ہے تو پھر ہر فیصلہ اسی کے بادشاہ کی من مرضی کے مطابق ہوتا رہتا وہ نہ وزیروں کی سنتا نہ غلاموں کی۔ اگلے مرحلے میں شیطان ان کے اندر کے وزراء کی اکثریت کو بھی نفس کی دنیا سے لاتا اور اسی کیفیت کی وجہ سے اللہ نے قرآن میں ایسے انسانوں کے لئے فرمایا کہ یہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے یا کہیں ایسا لکھا کہ کبھی رجوع نہیں کریں گے۔۔۔

تو اسی طرح انسان کے اندر اس بادشاہت کی جنگ بھی چلتی رہتی اور بادشاہ اور اسکے وزیروں کے مابین مختلف فیصلوں کا اتفاق اور اختلاف بھی چلتا رہتا۔ یہ ممکن ہے انسان کے اندر خیر کا بادشاہ جنگ ہار جائے اور اُسکی جگہ شر کا بادشاہ بیٹھ جائے اور اسکی سب سے بڑی وجہ شر کے وزیروں کی باتوں پر دھیان دینا اور ان کو وزنی تصور کرنا اور بادشاہ کے فیصلوں کو بدلتے رہنے کی عادت ہے۔ اب جنابِ آدمؑ کے دور کے لوگ ہوں، رسول اللہ ﷺ کے دور کے لوگ یا پھر تمھارے وقت کے لوگ، سب کے جذبات کے بادشاہ بدل سکتے ہیں خیر سے شر کی طرف اور شر سے خیر کی طرف کو بھی۔ ساری بات ہے توجہ کی،تعلیمات کو سمجھ کر عمل کرنے کی اورسب سے بڑھ کر اللہ کے فضل کی"

اور ہم انگریزوں کی تھیوریز سے متاثر ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم نے کبھی اپنے اصلاف کو صحیح طرح جانا ہی نہیں یا ہمیں ان تک پہنچنے کا صحیح راستہ ہی

ہی نہیں مل پایا۔ مجھے عربی زبان کے کسی شاعر کا شعر یاد آگیا:

لیسَ عَلَیَ اللہِ بِمُستَنکَر
اَن یَجمَعَ العَالَمِ فِی وَاحِد

ترجمہ: اگر اللہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے کہ سب خوبیاں ایک ہی شخصیت میں جمع کر دے (بے شک)

میں ان سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکا

"یہ فرمائیں کہ اس طرح کی نایاب معلومات صرف آپکے پاس ہیں یا کچھ خاص لوگوں کے پاس ہوتی تھیں یا آپ کے دور میں سب کے پاس انھوں نے وہی محبت بھری مسکراہٹ دی اور فرمایا"

"جو کسان اپنی زمین اور فصل سے محبت کرتا ہو اور اسکا دل سے خیال رکھتا ہو اور رکھنے کا فن بھی جانتا ہو اسکی فصل شاندار ہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی عرب قوم اپنی اگلی نسل کو پروان چڑھاتی تھی۔ عرب قوم چاہے رسول اللہ ﷺ سے پہلے کی بات ہی کی جائے، علمیت کو پسند کرتی تھی اور اُس زمانے میں بھی جو کسی بھی چیز کا علم رکھتا تھا اسکی عزت کی جاتی تھی اور لوگ اس سے اپنے مسائل کا حل پوچھا کرتے تھے اور اسکے کہنے کے مطابق عمل

کرتے تھے خاص طور پر خاندانِ رسول یعنی بنو ہاشم کے لوگ اس معاملے میں زیادہ شہرت رکھتے تھے۔۔۔

مجھے بچپن میں ہی بنو ہاشم میں سے ایک فرد کی صحبت حاصل ہوئی۔ ان سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ کوئی ایسی کہاوت یا کہانی سناتے جو زندگی بھر یاد رہتی اور بہت سے موقعوں پر مشعلِ راہ بنتی۔۔۔

انھیں میں سے ایک مشہور عربی کہانی ہے اُس شخص کی جسکے تین بیٹے تھے اور تینوں کا نام اس نے عبداللہ رکھا تھا اور جب اس شخص کا آخری وقت آیا تو اُس نے وصیت کی کہ

عبداللہ کو میری وراثت میں سے حصہ ملے گا
عبداللہ کو میری وراثت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا
اور عبداللہ کو میری وراثت میں سے حصہ ملے گا

ان تینوں بھائیوں کو اس وصیت کی سمجھ نہیں آئی نہ گاؤں والوں کو سمجھ آئی سو وہ قریبی شہر کی طرف چل پڑے تا کہ کسی قاضی سے جا کر اسکا مطلب اور تقسیم جان سکیں کہ کن دو بھائیوں کو وراثت ملے گی اور کس عبداللہ کو نہیں ملے گی۔ وہ شہر پہنچے تو ایک بستی میں ایک عمر رسیدہ شخص اپنی اونٹنی کو تلاش کر رہا تھا اور اس کو مل نہیں رہی تھی۔۔۔

پہلے عبداللہ نے پوچھا کیا تمھاری اونٹنی ایک آنکھ سے کانی تھی؟

اس بوڑھے نے کہا ہاں

دوسرے عبد اللہ نے پوچھا کیا تمھاری اونٹنی ایک ٹانگ سے لنگڑی بھی تھی؟

وہ شخص بولا ہاں اسکی ایک ٹانگ خراب تھی، کام نہیں کرتی تھی

تیسرے عبداللہ نے پوچھا

کیا اس اونٹنی کی دُم بھی کٹی ہوئی تھی؟

وہ شخص پھر حیرانی سے بولا ہاں میری اونٹنی کی دُم کٹی ہوئی تھی اب جلدی سے بتاؤ کہ میری اونٹنی کہاں ہے یقیناً تم نے اسے کہیں دیکھا ہو گا تینوں نے کہا ہم نے اسے بالکل نہیں دیکھا یہ تو ہم نے قیافہ شناسی کی ہے

وہ عمر رسیدہ شخص اب غصے سے بولا

لگتا ہے تم نے اسے کھا لیا ہے اور اب بتا نہیں رہے۔ چلو میرے ساتھ قاضی کے پاس وہی فیصلہ کرے گا تمھارا۔ یہ ممکن ہی نہیں کوئی یہ سب

نشانیاں جانتا ہو اور اس نے اونٹنی کو نہ دیکھا ہو۔

اب سب عبداللہ بولے ہم تیار ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا اور ہم تو ویسے بھی قاضی کے پاس ہی جا رہے ہیں۔

قاضی نے اس بوڑھے کی بات سننے کے بعد تینوں سے کہا

جس طرح تم تینوں نے اونٹنی کی نشانیاں بتائی ہیں اس سے تو صاف پتہ چلتا ہے اس بزرگ کا الزام صحیح ہے۔تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہو گے یا میں فیصلہ دوں؟

پہلے نے کہا جنابِ والا! ہم نے اونٹنی کو نہیں دیکھا مگر ہم نے اسکے آثار دیکھ کر تجربہ سے اندازہ لگایا اور اس شخص کو بتایا۔ جب میں نے اس شخص سے کہا تمھاری اونٹنی ایک آنکھ سے کانی ہے تو میں نے اُس راستے سے اندازہ لگایا کیونکہ وہاں ایک طرف کا گھاس کھایا ہوا تھا اور دوسری طرف کا گھاس مکمل اُگا ہوا تھا تو اسکا ایک ہی مطلب بنتا کہ اونٹنی کو ایک طرف نظر نہیں آیا ہو گا

دوسرے عبداللہ نے کہا کہ میں نے راستے میں دیکھا کہ اونٹنی کے تین پاؤں کے نشان تو بہت واضح تھے اور ایک پاؤں کا نشان کہیں ہلکا تھا اور

کہیں موجود ہی نہ تھا جسکا یہی مطلب ہو سکتا کہ اونٹنی لنگڑی تھی

تیسرے عبداللہ نے کہا کہ اونٹ جب چلتے ہوئے گوبر گراتے ہیں تو انکی ہِلتی ہوئی دُم سے وہ گوبر بکھر بکھر کر گرتا ہے جبکہ اس راستے میں بہت سی جگہوں پر گوبر ایک ہی جگہ اکٹھا پڑا تھا جس سے ایک ہی مطلب نکلتا کہ جانور کی دُم نہیں تھی

قاضی نے اس بزرگ کو فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ تمھاری اونٹنی ان لوگوں نے نہیں کھائی تم جا سکتے ہو۔

اس کے جانے کے بعد اِن تینوں نے قاضی سے اپنا مدعا بیان کیا۔قاضی نے ان کی کہانی اور وصیت کو غور سے سنا اور بہت حیران ہوا۔ اسنے اُن تینوں سے کہا تم آج رات ہمارے مہمان خانے میں رہو۔ میں کل تک سوچ کر اسکا کوئی مناسب فیصلہ کرتا ہوں۔

یہ تینوں مہمان خانے میں رات کا کھانا کھاتے ہیں تو ان کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باتوں کو پردہ کے پیچھے سے کوئی سُن رہا ہے۔

کھانا دیکھ کر پہلا عبداللہ بولا کہ یہ گوشت کسی کتے کا ہے میں نہیں کھاؤں گا دوسرا بولا یہ روٹیاں کسی حاملہ یعنی حمل والی اور مجبور عورت نے بنائی ہیں

تیسرا بولا کہ یہ قاضی اپنے باپ کی اولاد نہیں ہے

یہ سب باتیں قاضی تک پہنچ گئیں اگلے دن قاضی نے تینوں کو بُلا کر پوچھا

تم میں سے کس نے کہا تھا کہ گوشت کتے کا ہے تو پہلا بولا کہ میں نے کہا تھا

قاضی نے خانساماں کو بُلا کر پوچھا تو اسنے اقرار کرتے ہوئے کہا میں معافی چاہتا ہوں گوشت میسر نہیں تھا تو میں نے کتا مار کر ان کو پکا دیا

اب قاضی نے پہلے عبداللہ سے پوچھا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ گوشت کتے کا ہے

عبداللہ نے بتایا کہ کتے کا گوشت چربی کی طرح ہوتا ہے جس میں کہیں کہیں گوشت لگا ہوتا ہے جبکہ بکری، گائے یا اونٹ کے گوشت کے ساتھ کہیں کہیں چربی لگی ہوتی ہے

قاضی نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ تم ہی وہ پہلے عبداللہ ہو جسکو اپنے باپ کی وراثت میں سے حصہ ملے گا

اب قاضی نے پھر سے سب کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا یہ کس نے کہا

تھا کہ جس عورت نے روٹیاں بنائی ہیں وہ حمل کے ساتھ ہے اور بہت مجبور ہے

دوسرے عبداللہ نے ہاتھ کھڑا کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ایسا کہا تھا اور یقینا آپ جاننا چاہتے ہونگے کہ میں نے ایسا کیوں کہا تھا تو جان لیں کہ روٹیاں ایک طرف سے پکی ہوئی تھیں اور دوسری طرف سے کچی اور موٹی تھیں جس سے میں نے اخذ کیا کہ جس عورت نے روٹیاں بنائیں وہ حمل سے ہے کیونکہ اس سے تندور میں جھکا نہیں جا رہا اور وہ ایک طرف کی روٹیاں جھک کر دیکھ بھی نہیں پا رہی اور کتنی مجبور ہوگی جو اس حالت میں بھی کام کر رہی ہے

قاضی نے تعریفانہ انداز میں کہا کہ تم ہی وہ دوسرے عبدا للہ ہو جو اپنے باپ کی وراثت میں حصہ دار ہوگے

اب قاضی نے تیسری بات کے بارے میں پوچھا کہ کسنے میرے بارے میں کہا کہ میں اپنے باپ کی اولاد نہیں ہوں تو تیسرے عبداللہ نے بتایا کہ یہ بات اسی نے کی تھی۔

قاضی نے فوراً اپنی ماں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ اپنی ماں کی ناجائز اولاد ہے

اب قاضی نے اس تیسرے عبداللہ سے پوچھا کہ تم یہ کیسے جان پائے کہ میں اپنے باپ کی اولاد نہیں ہوں۔

اسنے جواب دیا کہ اگر تم اپنے عادل قاضی باپ کی اصل اولاد ہوتے تو کبھی اپنے مہمانوں کی باتیں سننے پر چوری سے کسی کو معمور نہ کرتے، نہ کسی کتے کا گوشت مہمان کو پیش ہوتا اور نہ کسی حمل یافتہ عورت سے اس حالت میں کام کرواتے۔

قاضی نے سنتے ہی کہا کہ یقینا تم ہی وہ عبداللہ ہو جس کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں مل سکتا

تو تیسرے عبداللہ نے پوچھا کہ ایسا کیوں؟

قاضی نے کہا کیونکہ ایک ناجائز اولاد ہی اتنی آسانی سے کسی دوسری ناجائز اولاد کو پہچان سکتی ہے چونکہ تم اس شخص کی اولاد ہی نہیں ہو اس لئے اسکی جائداد میں تمھارا کوئی حصہ نہیں ہے۔

فیصلہ کے بعد دونوں حصہ پانے والے بھائی اپنے گاؤں واپس گئے اور اپنی ماں کو فیصلہ بتا کر اس سے پوچھا کہ کیا تیسرا عبداللہ واقعی ہمارا بھائی نہیں ہے؟

تو ماں نے بتایا کہ تمھارے باپ کو وہ بچہ گھر کے باہر سے رکھا ہوا ملا تھا تو ہم نے اسے پال لیا اور تمھارے باپ نے کہا تھا میرے مرنے تک اس بات کو راز ہی رکھا جائے۔۔۔

اب دیکھو اس چھوٹی سی کہانی میں کتنے اسباق ہیں اور کتنے ہی حکمت و دانائی کے پہلو ہیں۔ جو آپ اپنی نسلوں کی پرورش کے دوران ان کے اندر ڈالیں گے اسی سے انکے شعور کی فصل پکے گی"

میں لاجواب ہو چکا تھا۔میں نے اگلا سوال کیا فوراً وقت بچانے کے لئے

"انسان اور عبد، یہ دو الگ الگ لفظ ہیں قرآن میں، اِن میں کیا فرق ہے؟"

انھوں نے فوراً فرمایا

"جب تک انسانی شعور عام سطح تک رہتا ہے انسان کو بہت سی اشیاء اور لفظ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں اور زیادہ تر افراد تو زندگی بھر ایسی بہت سی چیزوں، باتوں اور لفظوں کو ایک ہی معنی میں سمجھ کر زندگی گزار جاتے ہیں اور اُس نعمت سے محروم رہتے ہیں جسکو فرقان کہا گیا ہے۔ نعمتِ فرقان ہی وہ ذریعہ ہے جس سے اوّل تو انسان میں احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ دو ایک جیسی نظر آنے والی چیزوں کے مابین فرق کو محسوس کر سکے اور

پھر اللہ کی دی ہوئی توفیق سے وہ ان کے درمیان فرق کو بھی سمجھ لیتا ہے مگر یہ نعمت خاص بندوں کو ہی عطا ہوتی ہے۔۔۔

خیر جو تم نے پوچھا ہے وہ واقعی دونوں الگ ہیں اپنے اپنے اوصاف و کمال میں، جیسا کہ اللہ نے قرآن میں انسانوں کا جب ذکر فرمایا تو ان عادات و حالات کی بات کی ہے۔۔۔

انسان خسارے میں ہے
انسان جلد بازہے
انسان جھگڑالوہے
انسان ناشُکرا ہے
انسان کمزور ہے
انسان تنگ دل ہے
انسان ظالم، جاہل ہے
انسان احسان فراموش ہے
انسان لالچی ہے

یہ سب قرآن کے الفاظ ہیں یعنی انسان اللہ کے نزدیک بہت ہی عام لوگ ہیں جن میں زیادہ تر برائیاں ہیں مگر اللہ کے نزدیک عبد بہت خاص لوگ ہیں جو خصوصیات کے حامل ہیں جیسا کہ قرآن میں لکھا ہے۔۔۔

عبد پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے
نوحؑ شکر گذار عبد ہے
عبد پر کتاب نازل ہوتی ہے
عبد کو رحمت اور علم عطا کیا
ذکریاؑ عبد ہے
جھوٹ اور سچ میں فرق کرنے کا علم عبد کے پاس ہے
عیسیٰؑ عبد ہے جس پر نعمت نازل ہوئی

اب غور کرو کہ اللہ نے عبد کا لفظ اپنے محبوب، علم والوں، رحمت والوں اور نبیوں کے لئے استعمال کیا ہے تو واضح فرق پتہ چلتا ہے انسان اور عبد میں، میرا خیال ہے ان آیات کی کسی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بہت واضح ہیں۔۔۔

کمال کی بات یہ ہے کہ اللہ نے عام لوگوں کو انسان کہا ہے جو خامیوں سے بھرے ہیں، خاص لوگوں اور انبیاء کو عبد کہا ہے جو خوبیوں سے بھرے ہیں مگر اپنے سب سے پسندیدہ نبی ﷺ کو کیا کہا ہے؟ ان کو نہ انسان کہا ہے نہ عبد، اُن کو 'عبدُہٗ' یا 'عبدِہٖ' کہا ہے یہ عبد سے بھی بڑا درجہ ہے اور صرف ہمارے نبی ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔یہی لفظ آیہ اسراء اور کلمہءِ شہادت میں بھی نبی کریم ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔۔۔

عبد کا لفظی مطلب غلام ہوتا ہے اور غلام کہتے ہیں مالک کی مرضی پر اپنی مرضی کو قربان کرنے والا۔ تمھارے گھر میں ایک ملازم ہو کام کرنے والا تو اُس کی مرضی نہیں ہوتی کس کمرے کی صفائی کرنی ہے اور کس کی نہیں، اُس کی مرضی نہیں ہوتی کس چیز کو کہاں پر رکھنا ہے، اُس کی مرضی نہیں ہوتی کہ کھانے میں کیا پکنا ہے نہ اُس کی مرضی ہوتی کہ اُس نے کس دن کام کرنا ہے اور کس دن نہیں۔ سو فیصد تمھاری مرضی ہوتی ہے ان سب کاموں میں۔ وہ کبھی اپنی مرضی سے کوئی کام کر بھی لے تو صرف مالک کی خوشی کی خاطر کرتا ہے اور اگر وہ کام مالک کو پسند نہ آئے تو بیکار ہے۔کتنا آسان ہے غلام کو سمجھنا جو اپنی رضا کو اپنے مالک کی رضا پر کبھی فوقیت نہیں دیتا اسی وجہ سے اللہ انبیاء اور خاص بندوں کو اپنا عبد یعنی غلام کہتا ہے کیونکہ وہ اپنی رضا قربان کر چکے ہوتے۔۔۔

عام طور پر غلام کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے مگر جہاں سب غلام اکٹھے ہوں وہاں یہ دیکھا جاتا کہ کون کس کا غلام ہے۔ جو جتنے بڑے آدمی کا غلام ہو وہ اُتنا بڑا تصور کیا جاتا اور یہاں تو بات ہو رہی خالق و مالکِ کائنات کی غلامی کی۔ اِسی لئے عبداللہ یعنی اللہ کا غلام ہونا کائنات کی ساری بادشاہتوں سے بھی عظیم اور افضل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے خاص بندے اِس غلامی کو سر کا تاج سمجھ کر اِس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔۔۔

اسی لفظ عبد سے عبادت نکلا ہے یعنی عبد فاعل اور عبادت فعل۔غلام جو کچھ

مالک کی رضا کے لئے کرتا ہے وہ غلامی کہلاتا ہے جیسا کہ عبد جو کچھ کرتا ہے وہ عبادت کہلاتا ہے۔ افسوس ہے کہ عبادت یعنی غلامی کو تمھارے ہاں صرف نماز، تسبیح و روزہ سے منسلک کر دِیا گیا ہے جبکہ یہ تو غلام کی پوری زندگی پر محیط تھی۔وہ صبح سے شام تک شام سے صبح تک اور ساری زندگی جو کچھ کرتا وہ غلامی ہے وہی عبادت ہے۔۔۔

اسی لئے قرآن میں شیطان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے اب عبادت کا مطلب اگر نماز و روزہ وغیرہ نکال لیا جائے تو کوئی بھی یہ سب شیطان کے لئے نہیں کرتا بلکہ عبادت تو اصل میں غلامی ہے اسی لئے شیطان کی غلامی سے روکا گیا ہے یعنی شیطان کی باتوں پر عمل پیرا ہو جانا''

میں ان کی باتیں سُن کر سوچ رہا تھا کہ یہ کوئی ہمارے ہاں کے مولوی صاحب ہوتے تو اب تک یہ کافی شاپ نعروں سے گونج رہی ہوتی اور یہ بھی ممکن تھا کہ صحابی کے اردگرد نچھاور کیے گئے نوٹوں کا انبار لگ چکا ہوتا۔

مجھے یاد آگیا میں ایک دفعہ ایک مناظرہ دیکھنے گیا تھا اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ جن کے بیچ میں اکثر حدیثوں کو لے کر بحث ہوتی رہتی تھی دونوں کے نزدیک اپنی اپنی مستند تھیں اور دوسرے کی ضعیف۔ دونوں گروہ اپنے اپنے بڑوں سے ایک دوسرے کے خلاف اور اپنے حق میں نئی نئی توجیہات سُن کر آتے تھے اور ہمارے ہاسٹل میں آئے دن ایک نئی بحث چھڑ جاتی

تھی ان دو چار جذباتی نوجوانوں کے علاوہ باقی سب انجوائے کرنے آ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان میں ایک کے بڑے نے ہمارے دوست سے کہا کہ میں چیلنج کرتا ہوں تم ان کو بلا لو مجھ سے مناظرہ کر لیں۔یوں ایک مناظرہ طے پایا جس میں مجھے بھی جانے کا اتفاق ہو گیا اور پہلی دفعہ کوئی لائیو مناظرہ دیکھا۔ دونوں طرف جذبات زیادہ تھے اور برداشت کم۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کو سمجھنے کی بجائے صرف جواب دینے کے لئے سنتے تھے اور یوں آدھی بات کے بیچ میں ہی ایک نئی بات اور ایک نئی دلیل آجاتی اور دونوں طرف باری باری نعرے بھی لگتے رہے اور زیادہ مزے کی بات یہ تھی کہ آخر میں دونوں گروہ اس بات پر خوشی منا رہے تھے کہ ہم نے مناظرہ جیت لِیا۔ مناظرے کا زیادہ موضوع حدیث، اسناد، روایات اور متن سے متعلق رہا۔ عجیب بات یہ تھی دونوں گروہ ایک ہی کتاب میں سے بھی اپنی اپنی حدیث کو مستند ثابت کرتے رہے اور دوسرے کے موقف والی حدیث کو ضعیف موضوع یا من گھڑت۔ کتنی عجیب بات تھی کہ دونوں گروہوں کو یقین تھا کہ جس کتاب میں اُن کی مستند حدیثیں موجود ہیں اسی میں باقی آدھی جھوٹی اور من گھڑت ہیں اور دوسرے گروہ کا بھی ایسا ہی خیال تھا۔ خیر میں اس خیال کا اظہار تو وہاں نہیں کر سکا مگر مناظرہ کے اختتام پر ان میں سے ایک گروہ کے بڑے مولوی صاحب کے پاس بیٹھنے کو کچھ وقت ملا جو مناظرہ میں ہی کی گئی باتوں میں وہ ساری دُہرا رہے تھے جس میں اُن کا پلڑہ بھاری رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہہ ہی دیا

یہ جن کتابوں سے آپ لوگ حوالہ جات دیتے رہے ہیں انہی کتابوں میں اُن حدیثوں کے متعلق کیا رائے ہے آپکی جن میں رسول اللہ ﷺ خود فرما رہے ہیں کہ مجھ سے کوئی حدیث نہ لکھنا پھر بھی ہم نے لکھی۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے ایک تو ان کی یہ بات نہیں مانی اور دوسرا وہ حدیث بھی لکھ دی جس میں حدیث لکھنا بھی منع کیا گیا ہے اور پھر اس حدیث کو بھی سب پیمانوں کے مطابق صحیح بھی کہا ہے۔ بالکل ایسا ہے جیسے اکثر کسی دیوار پر بڑا سا لکھ دیا جاتا ہے کہ یہاں لکھنا منع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود ہم نے یہ عمل کیا اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ قرآن کہہ رہا جو چیز تمھیں رسول اللہ دے دیں وہ لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے منع ہو جاؤ۔۔۔

آپ نے تو ایسی حدیثیں بھی اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی جو ہم اپنے بچوں یا گھر کے افراد کو خصوصاً ماؤں بہنوں کو بتاتے ہوئے بھی شرم سے ڈوب کے مر جاتے ہیں پھر ہم کیسے گمان بھی کر سکتے ہیں ایسی لغو باتیں معاذاللہ، رسول اللہ نے فرمائی ہوں گی۔ صرف مثال کے طور پر بتا رہا ہوں کہ یہ حدیث بھی لکھی ہے جو اپنی قوم پر فخر کرتا ہو وہ اپنے باپ کی شرمگاہ کاٹ کر اپنے منہ میں ڈال لے (معاذاللہ)۔۔۔

پھر یہ حدیث دیکھیں جس میں لکھا گیا کہ اُمت کا بہترین مرد وہ ہے جسکی بیویاں زیادہ ہوں۔ قرآن کہتا ہے کہ بہترین وہ ہے جو تقویٰ میں بڑا ہے۔

یعنی معاذاللہ ہمارے تو رسول اور قرآن کے بیچ میں ہی اختلاف ہے۔۔۔

اور جو حدیثیں اور روایتیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی طرف منسوب ہیں وہ تو مجھ میں کہنے کی بھی ہمت نہیں، پتہ نہیں آپ نے ان کو کیسے کتابوں میں لکھ بھی لی اور برداشت بھی کر لی۔ ہم میں سے کوئی اپنی ماں کے متعلق تو وہ باتیں سن نہیں سکتا مگر ہم نے مومنوں کی ماؤں کے متعلق لکھتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں کی"

اس کے بعد ایک اور مناظرہ شروع ہوا جس میں صرف ایک فرد بول رہا تھا بلکہ تقریباً چیخ رہا تھا اور مجھے صرف سُننا تھا کیونکہ مگرمچھ سے لڑائی کے لئے آپکو کیچڑ میں اترنا پڑتا ہے۔

بحرحال جب ہاسٹل واپس پہنچے تو میرے دوست نے مجھ سے پوچھا

"یار یہ بتاؤ تمھیں ہمارے (مولوی کا نام لیکر) صاحب کی کوئی بھی بات ٹھیک نہیں لگی وہ جو انھوں نے اتنے مستند حوالوں سے دلائل دے کر ثابت کیا کہ۔۔۔۔"

میں وہ موضوع جان بوجھ کر نہیں لکھ رہا کیونکہ میرے نزدیک اس موضوع کا ثابت ہونا یا نہ ہونا معنی نہیں رکھتا مگر وہ بنیادیں معنی رکھتی

ہیں جن پر ہم نے عقائد کی عمارت کھڑی کی ہوئی ہے۔میں نے اپنے دوست کو بہت پیار اور دھیمے لہجے سے جواب دیا تا کہ وہ میری بات غور سے سنے اور جذباتی نہ ہو

"بھائی میں جب مطالعہ کرتا تھا تو ایک دفعہ کسی کتاب میں ایک واقعہ میری نظر سے گذرا جس میں ایک ابراہیم نامی شخص کسی ایک صاحب کے مرید تھے اور انھی کو ٹھیک سمجھتے تھے۔ ابراہیم صاحب کے ایک قریبی دوست تھے جو ابراہیم کو تو دوست مانتے تھے مگر اس کے استاد کو ٹھیک نہیں سمجھتے تھے۔۔۔

جب بھی ان دونوں کی ملاقات ہوتی تو کہیں نہ کہیں سے تقلید کی بات چھڑ جاتی اور ایک بحث کی شکل اختیار کر جاتی اور دوست کے منہ سے اکثر نکل جاتا کہ ابراہیم تمھارا استاد ٹھیک نہیں ہے اور یہ بات ابراہیم کو بھڑکانے کے لئے کافی ہوتی کیونکہ ایک عقیدت تھی جسکی وجہ سے برداشت جواب دے جاتی تھی اور اب خاموش رہنے میں ایمان کا خطرہ محسوس ہوتا اور یوں یہ ملاقات ہمیشہ ایک ناراضگی پر ختم ہوتی۔۔۔

ابراہیم نے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ میرا دوست میرے استاد کی بے ادبی کرتا ہے تو اسنے اپنے دوست سے ملنا جلنا ہی چھوڑ دیا کیونکہ اُس سے اپنے استاد کی بے ادبی برداشت نہیں ہوتی تھی۔

ایک رات ابراہیم کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور انھوں نے ابراہیم سے اسی دوست کے بارے میں پوچھا کہ اس سے ملتے کیوں نہیں؟

ابراہیم نے جواب دیا کہ وہ میرے استاد کی بے ادبی کرتا ہے اور اسکو نہیں مانتا

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا

"مجھے تو مانتا ہے نا"

اور خواب ختم ہو گیا۔ ابراہیم کی آنکھ کھلی تو آنسو جاری ہو گئے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہمارے لئے سب سے بڑی بات یہ ہے کوئی رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہے اور میں اپنے استاد کی خاطر رسول اللہ کے امتی سے تعلق ختم کر بیٹھا ہوں"

یہ واقعہ سنا کر میں چپ کر گیا اور میرا دوست بھی کچھ نہیں بولا۔ بعض اوقات صرف احساس دلانا کافی ہوتا ہے گفتگو کی لمبائی اس بات کا خدشہ پیدا کر دیتی ہے کہ کوئی اگلی بات پچھلی بات کا پیدا کیا گیا احساس بھی ختم کر دے۔ اسلئے جب محسوس ہو کہ احساس ہو گیا ہے تو خاموش ہو جائیں، دوسرے کو اپنی عقل اور زاویوں سے پرکھنے اور سیکھنے کا موقع دیں کیونکہ

بقولِ قرآن، ہمارا کام صرف پیغام دینا ہے اور اللہ کا کام ہدایت دینا ہے۔

میں نے جھٹ سے ان یادوں کو رد کیا اور وقت کی کمی کو دیکھتے ہوئے اگلا سوال پوچھا

"حضرت یہ فرمائیں کہ موسیقی کے متعلق ہمارا دین کیا کہتا ہے ہمارے ہاں تو جو باتیں پہنچی ہیں وہ بہت ہی خطرہ بتاتی ہیں کہ موسیقی کو سُننا یا سُنانا حرام ہے جس نے کیا اُس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا، سازینوں کو آگ لگا دینی چاہیے اور رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے وغیرہ وغیرہ"

انھوں نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر بولے

"موسیقی کے متعلق جو احکامات آئے ان کو سمجھنے کے لئے تمھیں ہمارے دور کو سمجھنا پڑے گا۔ ہمارے دور میں موسیقی سننے کا واحد ذریعہ کوئی مغنّیہ (سِنگر یا طوائف) ہوتی تھی جس کے پاس جا کر لوگ موسیقی سُنا کرتے تھے اور بد قسمتی کی بات یہ تھی کہ وہ صرف موسیقی نہیں ہوتی تھی وہیں پر شراب کا دور بھی چلتا تھا اور جب موسیقی اور شراب اکٹھے ہو جاتے تھے تو فحاشی بھی ہو کر رہتی تھی اور یہ ایک موسیقی کی بجائے بہت سارے گناہوں کی آماجگاہیں بن چکی تھی۔۔۔

معاشرہ جتنا بھی بگڑ جائے مگر لوگ کبھی بھی گھر میں یا اپنے دوستوں رشتہ داروں میں یہ کہہ کر نہیں نکلتے کہ ہم فحاشی کرنے یا شراب پینے جا رہے ہیں سب لوگ صرف یہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو صرف موسیقی سننے جا رہے ہیں اور اس طرح یہ موسیقی کا لفظ باقی گناہوں پر پردہ ڈالنے کا کام بھی کرتا تھا۔۔۔

جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے لوگوں کو موسیقی سے منع فرمایا جسکا اصل مقصد اُن کو کلی طور پر گناہوں سے اور دیگر نشوں سے روکنا تھا اور اس بہانہ کو بھی ختم کرنا تھا جو لوگ موسیقی کے نام پر وہاں جاتے تھے ورنہ اگر صرف سازوں کی بات کی جائے تو وہ ہمارے ہاں بھی جنگ کے موقع پر اور مختلف خوشیوں اور استقبال کے موقع پر استعمال ہوتے رہے ہیں اور جو کلام پڑھا جاتا تھا ان سازوں کے ساتھ وہ معیاری ہوتا تھا اور کافی سارے کلام تو خود رسول اللہ ﷺ پسند فرماتے تھے اور کچھ کلام تو ایک یہودی شاعر کے بھی لکھے ہوئے تھے۔۔۔

اور اب جو تمھارا دور ہے اس میں تو ہر چیز میں موسیقی ہے (انھوں نے میرے موبائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کی کئی بار گھنٹی بج چکی تھی) مگر ہر موسیقی والی چیز کے ساتھ گناہ یا فحاشی نہیں جڑی ہوئی۔ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ یہ کوئی فرض یا مُستحب بھی نہیں کہ لازمی اس کو سُننا ہی ہے''

وہ گفتگو کو اُسی مقام پر لے آئے تھے جہاں دہائی سے زیادہ عرصہ قبل میں کسی خانقاہ میں کسی پیر صاحب کے پاس گیا تھا اور ان سے بھی رسول اللہ ﷺ کے علمِ غیب کے بارے میں سوال پوچھا تھا وہی سوال میں نے دُہرا دِیا

"کیا وحی صرف نبی کی طرف ہی ہو سکتی ہے؟ کیا کسی غیر نبی کو وحی نہیں ہو سکتی؟ ہمارے ہاں تو اکثریت یہی بتاتی کہ وحی صرف انبیاء کی طرف ہی کی جاتی تو آپ اصلاح فرمائیں"

میرا سوال سُن کر ہنستے ہوئے بولے

"لَا حَولَ وَلا قُوَّۃ۔۔۔شاید اسی لئے اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ بیٹا یہ بات درست نہیں کہ وحی کا لفظ صرف نبی سے ہی منسلک ہے۔ قرآن میں ہی اللہ نے سورۃ قصص کی آیت نمبر 7 میں یہی 'اوحینا' کا لفظ حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ کے لئے استعمال کیا ہے جو کہ غیرِ نبی ہیں

وَ اَوحَینَا اِلیٰ اُمِّ موسیٰ۔۔۔

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی۔۔۔

میرا خیال ہے مجھے مزید واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے"

"حضرت یہ فرمائیں کہ سورۃ انبیاء کی آیت 63 میں جب حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بُت کو چھوڑ دیا اور جب بُت پرست آ کر ان سے پوچھتے ہیں کہ بتوں کو کس نے توڑا ہے تو ابراہیمؑ نے جو جواب دیا وہ یہ لکھا ہوا ہمارے ترجموں میں جو مجھے کہیں سے درست نہیں لگتا

میں نے آیت پڑھی اور اس کا ترجمہ بھی

قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ
ترجمہ: آپ (ابراہیم) نے کہا اس کام کو ان کے بڑے نے کِیا ہے انھی سے پوچھ لو اگر بول سکتے ہیں

کیسے ممکن ہے اللہ کا کوئی نبی جھوٹ بولے۔ میں نے تقریباً ہر مکتبِ فکر کا ترجمہ دیکھا سب نے ابراہیمؑ کو ہی جھوٹ بولتے لکھا ہے۔ آپ وضاحت فرما دیں"

انکا وہی پراعتماد انداز اور مسکراہٹ

"اسکی پچھلی آیت دیکھو جس میں قوم والے ان سے سوال پوچھ رہے ہیں:

قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُؕ

ترجمہ: بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کِیا اے ابراہیم

تو ابراہیمؑ نے جواب دیا

قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ‌ۖق كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ
کہا کِیا ہے، یہ بڑا ہے ان میں پوچھ لو اِن سے اگر بول سکتے ہوں

پہلے تو ابراہیمؑ کے جواب میں اثبات ہے یعنی وہ فرما رہے کہ ہاں کِیا ہے، اسکے فوراً بعد ایک وقف ہے 'صلے ق' یعنی یہ کہہ کر ابرہیم رُکے اور بولے ان کا بڑا ہے پوچھ لو ان سب سے' جب وقف کے بغیر پڑھ کر اگلی بات سے مِلا دیا جائے تو ایسا ہی معلوم ہوتا جیسے یہ بڑے بُت سے منصوب کیا جا رہا مگر وقف پر دھیان لازمی ہے ورنہِ گستاخیِ نبیؑ کا گناہِ کبیرہ سرزرد ہو جائے گا۔۔

دوسرا عربی زبان سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ 'فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ' جمع کا صیغہ ہے اور ھُم معرفہ کی ضمیر ہے جو جمع کے لئے آئی ہے یعنی ان سب چھوٹوں سے پوچھنے کو کہا جا رہا ہے، یہاں مخاطب وہ ایک بت نہیں جو بچ گیا تھا بلکہ مخاطب وہ سارے چھوٹے بُت ہیں جنکو توڑ ڈالا گیا تھا۔۔''

میری عقل اور قلب اور دونوں حالت تسلیم میں اِس گفتگو کے دھارے کے

ساتھ ہی بہتے جا رہے تھے میرا یقین کامل ہو رہا تھا کہ واقعی اللہ نے جو دین نازل کیا اور اپنے نبی ﷺ کی ذاتِ مبارک کے ذریعے ہم تک پہنچایا وہ ایسا ہی لاریب، دینِ فطرت، آسان اور با معنی ہے۔ ویسے تو میرے پاس سوالات کی لمبی لِسٹ تھی مگر نبی ﷺ کا خیال آتے ہی میں نے پوچھا

"نبی کریم ﷺ کا ہمیں اپنے دِل میں صحیح مقام اور عقیدہ کیا رکھنا چاہیے؟" میں نے ضرورت نہ ہونے کے باوجود سوال کی وضاحت کی "ہمارے مولویوں نے ہمیں حضور ﷺ کو نور ماننا، نور اور بشر ماننا، خالی بشر ماننا، پھر اپنے جیسا بشر ماننا اور نہ جانے کن کن عقائد پر جُدا کر رکھا ہے مجھے آپ سے آپ کا عقیدہ جاننا ہے"

وہ مُسکراتے ہوئے بولے

"کسی بھی انسان یا شخصیت کا تعارف ایک ہی انداز سے ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے اُس شخصیت کا سب سے بڑا کارنامہ یا سب سے بڑی حیثیت، مرتبہ یا مقام بیان کرنا۔۔۔

جیسے کسی انسان کو پہاڑوں کی چوٹیاں سَر کرنے کا شوق ہے پہلے وہ اپنے گاؤں کے پاس موجود پہاڑی کی چوٹی سر کرے۔ پھر وہ اپنے ملک کی سب سے اونچی چوٹی کو سَر کرے اور آخر میں وہ دُنیا کی سب سے اونچی پہاڑی

کو بھی سَر کر لے۔ اب اِس انسان کو تم کہیں بھی متعارف کرانا چاہتے ہو تو اُس کا تعارف یہ نہیں ہوگا کہ یہ وہ انسان ہے جس نے ہمارے گاؤں کی پہاڑی چوٹی کو سَر کیا ہے بلکہ ایسا کہنا کم ظرفی ہوگا۔ یا تو اُس انسان کی ساری سَر کی ہوئی چوٹیوں کا ذکر کیا جائے یا سب سے بڑی کا ذکر کیا جائے تاکہ سمجھنے والا اُس کے صحیح مقام کو پہچان سکے"

مجھے اُن کی بات سُنتے سُنتے خیال آیا کہ بات صحیح ہے ہم میں سے اگر کسی نے ماسٹر ڈگری کر رکھی ہے سب کو پتہ ہے کہ ماسٹر ڈگری کرنے کے لئے گریجوایشن کرنا ضروری ہے اور گریجوایشن کے لئے بارہویں جماعت پاس کرنا ضروری ہے اور اُس کے لئے میٹرک پاس کرنا بھی ضروری ہے۔تو اب کسی ماسٹر ڈگری ہولڈر کا تعارف یہ کہہ کر کروایا جائے کہ یہ صاحب میٹرک پاس ہیں تو نہایت بد تہذیبی ہوگی یا ذاتی حسد حالانکہ یہ جھوٹ نہیں ہے کیونکہ ہر ماسٹر ڈگری والا میٹرک پاس بھی ضرور ہوتا ہے مگر ایسا تعارف نہایت بدتہذیبی اور کم ظرفی کی علامت ہو گا۔

انھوں نے بات آگے بڑھائی

یہ تو عام آدمی کے تعارف کا معاملہ ہے تم نے تو کائنات کی سب سے بڑی شخصیت کے مقام کا سوال کیا ہے اور اُن کو پکارنے کا تو پیمانہ ہی الگ ہے جیسا کہ سورتہ الحجرات میں آتا ہے (آیت نمبر2)

ترجمہ: نبی کی آواز سے اپنی آوازوں کو بُلند مت کرو اور اُن کو ایسے مت پکارو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو تمھارے سب اعمال تباہ ہو جائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو

یہاں تو اللہ نے جو نہیں کرنا وہ سِکھایا ہے یعنی نہ ان کی آواز سے آواز بُلند کی جا سکتی نہ اُن کو ایسے بلانا جیسے ہم ایک دوسرے کو بُلاتے ہیں۔ اب تم خود سوچو کہ ہم ایک دوسرے کو کیسے کیسے بلاتے ہیں اُن سب طریقوں سے نبی کریم ﷺ کو نہیں بُلایا جا سکتا اسی لئے ہم میں سے اکثریت اُن کو نام لینے کے بجائے 'رسول اللہ' کہہ کر یا پھر 'یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان' کہہ کر بُلاتے تھے کیونکہ ایسا ہم نے کبھی ایک دوسرے کو نہیں کہا تھا۔۔۔

جہاں تک بات ہے میرے عقیدہ کی تو میں ہمیشہ قرآن سے عقیدہ بناتا ہوں۔۔۔

آتے ہیں نبی کریم ﷺ کے اُن مقامات یا اَسماء کی طرف جِن کا ذکر قرآن میں آیا ہے جیسا کہ

رحمت اللعٰلمین

صاحبِ معراج

تمام نبیوں پر گواہ

خاتم النبیین

مدثر، مزمل

رؤف و رحیم

اور اللہ کا ایسا قُرب حاصل کرنے والے واحد نبی جتنا دو کمانوں میں فاصلہ ہوتا ہے اور اِس طرح کے مزید القابات ہیں جو اللہ نے اُن کے لئے استعمال کیے ہیں لیکن جو چند میں نے بولے وہ ایسے ہیں جو صرف ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کے لئے ہی استعمال ہوئے ہیں۔ ان سب مقامات پر یقین رکھنا ضروری ہے یہاں پسند کا یا عقل کا اختیار نہیں کہ تم اپنی مرضی سے چند مان لو اور باقی چھوڑ دو۔ اب ایسی عظیم المرتبہ شخصیت کو صرف اپنے جیسا بندہ تصور کرنا ایک تو سورۃ الحجرات کی آیت کے منافی ہے کیونکہ ایسا تو ہم ایک دوجے کے بارے میں بھی کہتے ہیں اور دوسرا اصول گفتگو کے منافی اور کم ظرفی ہے کہ کسی کا تعارف اُس کا سب سے چھوٹا درجہ بتا کر کرایا جائے۔۔۔

اسی طرح اللہ قرآن میں فرماتا کہ وہ جس کو پسند فرما دے اس کو غیب کا علم عطا فرما دیتا ہے تو قرآن بتا رہا کہ سب سے زیادہ پسند اور عزت و احترام ہمارے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا گیا ''

مجھے بتایا گیا تھا کہ میں ان سے کوئی ایسا سوال نہیں پوچھ سکتا جس سے میں ان کا نام یا ان کی پہچان جان سکوں۔ پھر بھی دل میں بار بار خیال پیدا ہوتا رہا کہ اُنکے متعلق جان سکوں،میں چاہتے ہوئے بھی اپنے اندر پیدا ہونے والی اس جستجو کو روک بھی نہیں پا رہا تھا مگر ادب کا پیمانہ سب پیمانوں سے بڑا ہوتا ہے یہ سوچ کر ایسا کچھ نہیں پوچھ پایا۔ انہی سوالوں کے دوران ہی یہ پہلی ملاقات اپنے اختتام کو پہنچ گئی اور وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ سب سے بڑی ڈھارس یہ تھی کہ ہماری یہ آخری ملاقات نہیں تھی لیکن اگلی ملاقات کا کوئی وقتِ مقرر بھی نہ تھا۔

جب وہ اُٹھنے لگے تو میں اُن سے پہلے اُٹھ کے کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے میری طرف بہت ہی محبت سے دیکھا، دعا دی مجھے اور ہاتھ بڑھایا۔ میں نے قدرے جُھک کر اپنے دونوں ہاتھوں میں اُن کا ہاتھ تھام لیا میرا دل اُس وقت شاید دوگنی رفتار سے دھڑک رہا تھا اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی ایک معجزہ چاہ رہا تھا کہ یہ خواب حقیقت میں بدل جائے مگر یہ خواب بذاتِ خود ہی ایک معجزہ تھا جو اللہ نے اپنی رحمت کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر مجھے عطا کیا تھا ورنہ کہاں یہ گناہگار اور دیدار کرنے والی آنکھوں کا دیدار۔

انھوں نے ہاتھ میرے ہاتھ سے نہایت پیار سے نکالا مجھے کندھے پر تھپکا اور تشریف لے گئے۔ مجھے مڑ کر دیکھنے کی بھی اجازت نہ تھی اور میں

پتہ نہیں کِتنی دیر وہیں کھڑا رہا۔ آج بھی جب یہ لکھ رہا ہوں تو آنکھیں ویسے ہی بھیگ رہی ہیں جیسی اُس رات کو تھیں۔

میاں محمد بخشؒ صاحب کا ایک شعر ہے

رات نوں خواب وِچ دلبر مِلیا، میں گل وچ پا لیاں بانہواں
ہُن ڈر دی ماری اکھ نہ کھولاں، کتھے فیر وچھڑ نہ جاواں

اردو معنی: رات کو خواب میں مجھے میرا محبوب ملا تو میں نے اُس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور یہ کیفیت اتنی پُر کیف تھی اب ڈر کے مارے آنکھ نہیں کھول رہا تھا کہ جب آنکھ کھُلے گی تو محبوب نہیں ہو گا۔

یہ سب جو تحریر کیا گیا ہے یہ اُس پہلی مُلاقات کا حصہ ہے جس کا سارا موضوع میرے سوالات، میری اُلجھنیں اور ان کے جوابات سے متعلق تھے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو کبھی دوسری مُلاقات کو بھی تحریر کرنے کی کوشش کروں گا جس میں اُن کے اپنے حالات، اُن کی اپنی سوچ اور خیالات کی تبدیلی کیسے رونما ہوئی اور وہ سچ کے اِس سفر میں کس کس منزل سے گزرے اور کس کس مقامِ حقیقت و علم سے آشنا ہوئے۔ یہ میری آپ بیتی کا ایک حصہ تھا وہ اُن کی آپ بیتی کا ایک حصہ ہے۔
تُو کُجا من کُجا

ہو سکتا ہے آپ میں سے کسی کو یاد ہو کہ جب ان کی آمد سے پہلے مجھے کاغذ پکڑایا گیا تھا تو اُس کے اوپر ایک آیت لکھی ہوئی تھی سو وہ آیت بھی لکھ دیتا ہوں سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 72

وَمَن کَانَ فِی هٰذِهٖٓ اَعمیٰ فَهُوَفِی الآ خِرَةِ اَعمیٰ وَ اَضَلُّ سَبِیلاً

ترجمہ: جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا بلکہ اور زیادہ گمراہ

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

حرفِ آخر

صرف اللہ جانتا ہے کہ اس کتاب کو لکھتے وقت میرے دل میں کسی بھی طبقہ، گروہ، فرقہ، مفتی، مولوی یا پیر صاحب کے بارے میں کوئی ذاتی مخالفت یا رنجش کا جذبہ نہیں حائل رہا۔ میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ میں موضوع پر بات کروں نہ کہ شخصیات یا گروہوں پر۔ پھر بھی میرے علم کی کمی کی وجہ سے اگر کہیں بھی آپ کو ایسا محسوس ہو جائے کہ میں آپکی ذاتی دل آزاری کر گیا ہوں تو اللہ کی رضا کی خاطر مجھے معاف کردیں۔ اللہ آپکو سلامت رکھے۔قرآن کی اس آیت پر اختتام کرتا ہوں

ایک میٹھا بول اور معاف کردینا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے کسی کو اذیت ہو (البقر263)

ایک طالب علم
حسنین ملک
imhassnain@gmail.com
اس ای میل پر آپ اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں

صحابیؓ رسول نے کافی کا کپ
میز سے اٹھاتے
ہوئے فرمایا
"دو نمازوں کے بیچ
میں جو وقفہ ہوتا
ہے وہی نماز قائم
کرنے کا
وقت ہوتا ہے"

تسکینِ ذوق پبلشرز
152-H/II ماڈل ٹاؤن، لاہور